ISSN 1998-6483

فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے طلبا و اہلِ علم کا ترجمان

علمی و تحقیقی مجلّہ

مسلسل خدمت کے 19 سال

ستمبر 2019ء

فقہ اسلامی

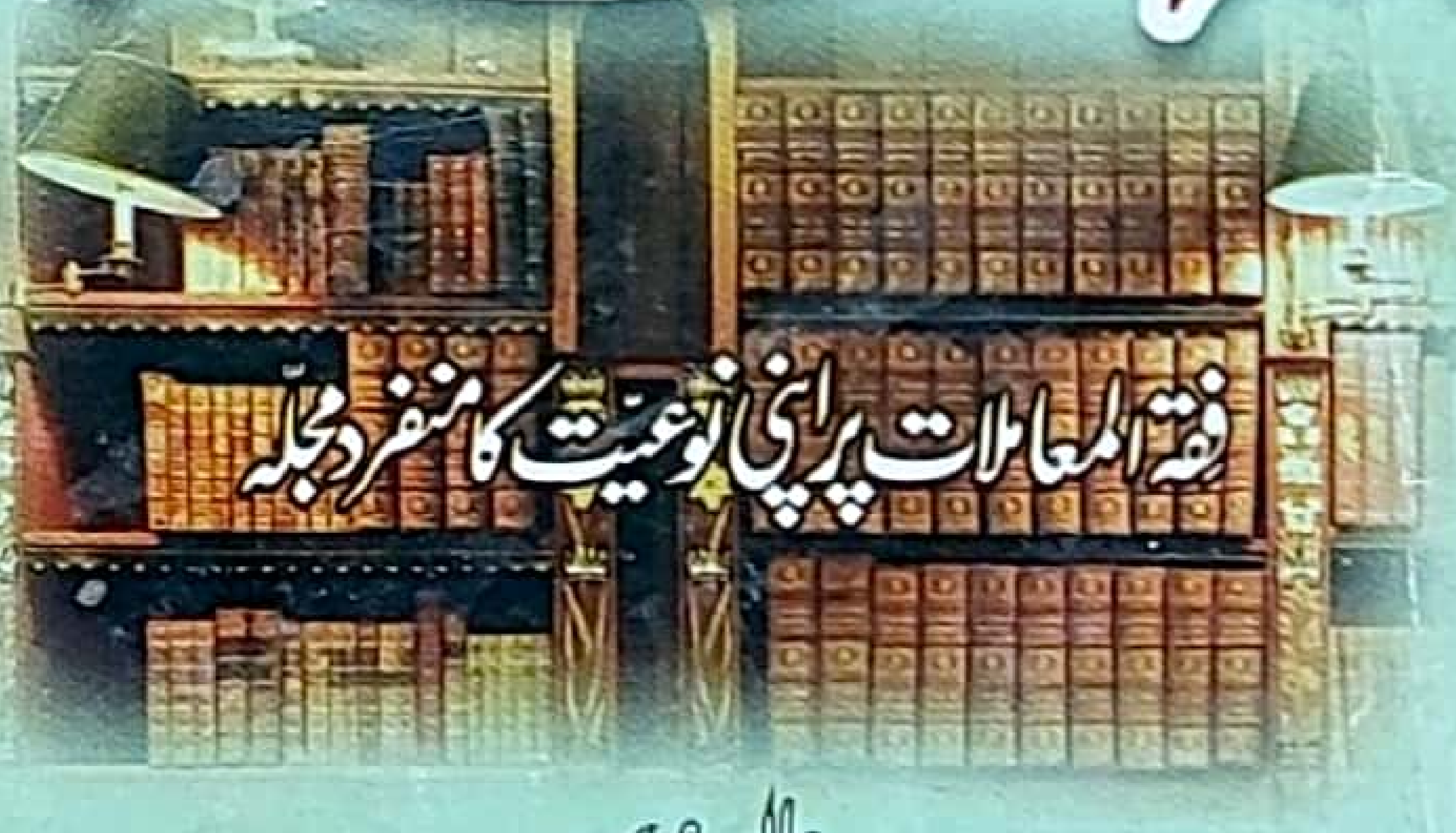

مدیر اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

پوسٹ بکس نمبر 17777 گلشن اقبال، کراچی

Scanned with CamScanner

علمی و تحقیقی مجلّہ

فقہِ اسلامی

کراچی

مدیر اعلیٰ و مؤسس

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مدیر مُساعد
ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی
پروفیسر محبوب الحسن بخاری

مدیر مسؤل
حافظ محمد عبدالرحمٰن ثانی

محرم الحرام/صفر المظفر ۱۴۴۱ھ ستمبر ۲۰۱۹ء

جلد 20 شمارہ 09

فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا منفرد مجلّہ

فہرست

اداریہ	2
حضرت معاذ بن جبلؓ کی فقہی خدمات	8
الفتاوی المعاصرة	26
حضرت امامِ شافعی کی مکہ مکرمہ واپسی	35
بیع حقوق کا مسئلہ	46
شریعت مطہرہ اور پاکستان میں اسقاط حمل کا قانون	58
میانوی خاندانِ مفتیاں کی علمی و ادبی اور دینی و علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ	69
دینی مدارس کی مرکزی تعلیمی دھارے میں شمولیت	89

مجلس ادارت

مدیران

- علامہ غلام نصیر الدین نصیر
- علامہ محمد اسحاق ظفر
- علامہ سید محمد عارف شاہ اویسی
- قاری محمد اجمل منصور

معاونین و نمائندگان

قاری محمد اسلم سیالوی	یوکے
قاری محمد راسب	یوکے
حافظ محمد عمران	کراچی
مولانا خان محمد قادری	راولپنڈی
مولانا طاہر عزیز باروی	اوسلو

ممبر شپ فیس

فی شمارہ :25 روپے 300 روپے سالانہ

کوریئر منی آرڈر: حافظ محمد عبدالرحمٰن ثانی
P-98 خطیب ہاؤس
پنجاب ٹاؤن، ملیر ہالٹ کراچی

فون: 0312-2090-807
موبائل: 0333-2376-985

ای میل Shahtaz.na@gmail.com, www.facebook.com/fiqheislami

Postal (R) No.
SC (MC) - 1148

نوٹ: مجلس ادارت کا مقالہ نگاروں کے موقف سے اتفاق ضروری نہیں

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین......

اداریہ

ایک عرصہ سے دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلیوں کا شور بلند ہے، اور شور کرنے والے عموماً وہ لوگ ہیں جو خود کسی دینی مدرسہ کے مالک تو کیا خادم بھی نہیں...... ان میں بعض صحافی بھی شامل ہیں اور اسکالرز بھی، سول سوسائٹی کے نمائندہ بھی ہیں اور بیرونی قوتوں کے پلانٹڈ پے زولڈ بھی، سادگی میں کچھ مولوی نما بھی اس آواز میں شامل ہیں اور کچھ سیاسی بھی...... سب کی سرتوڑ کوشش اور دلی خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ نصابِ درسِ نظامی کو بدل دیا جائے......اور اس تبدیلی کے متعدد اور متنوع دلائل ان کے پاس ہیں، تبدیلی کی ضرورت محسوس کرانے کے لئے ایک سے ایک فلسفہ ان کی زنبیل میں ہے......اور نصاب کی تبدیلی کی ضرورت واہمیت کو باور کرانے کے لئے متعدد جرائد ورسائل مسلسل لکھ رہے ہیں اور لاتعداد ٹی وی چینلز کے...... عالم فاضل اینکرز......، زور لگا رہے ہیں...... یہ سلسلہ نائن الیون کے بعد ذرا زیادہ تیزی سے پھیلا ہے......اور ساری خرابیوں کی جڑ دینی مدارس کو بتایا جانے لگا ہے ......نصابی تبدیلی کے حوالہ سے تنظیمات مدارس کو بھی پریشان کیا گیا اور ان سے یہ مطالبہ بالواسطہ وبلا واسطہ دونوں طرح سے ہوا کہ نصاب میں تبدیلی لائیں اور نرے مولوی پیدا نہ کریں......کبھی مدارس کو کمپیوٹر کی افادیت بتائی جاتی ہے اور کمپیوٹری علوم کو شامل نصاب کرنے کی بات کی جاتی ہے تو کبھی سائنس کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھانے پر زور دیا جاتا ہے، معاشیات کے مضامین کو شامل نصاب کرنے اور ریاضی وسوشل سٹڈیز کو نصاب میں سمونے کی خواہش کا اظہار بھی بارہا ہوتا رہا ہے...... ہر چند کہ ان علوم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن انہیں دینی مدارس کے نصاب کا لازمی جزو بنانے پر اصرار کی معنی خیزیت کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا............

اس سارے شور شرابے میں کہیں یہ سننے کو کبھی نہیں ملا کہ ایم بی بی ایس کے کورس میں فقہ، حدیث تفسیر اور اصول کو بھی شامل کیا جانا چاہئے تا کہ وہ اچھے دین دار ڈاکٹر بن کر نکلیں .... انجنیر نگ کے نصاب میں منطق وفلسفہ کو بھی شامل کیا جانا چاہئے تا کہ انہیں اپنے آباء کے علوم پر بھی دسترس ہو، ایگریکلچر کے ڈگری پروگرام میں تصوف اور علم الکلام کا تڑکا بھی لگانا چاہئے تا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اللہ ہو کی ضربیں بھی لگا لیا کریں......

اگر کوئی دین دار شخص ان میدانوں میں اسلامی علوم کی بات کرے تو اسے یہ سمجھایا جاتا ہے کہ میاں یہ پروفیشنل کورسز ہیں ان میں علوم کا کیا کام ....تو بھئی دینی مدارس کا نصاب علوم کا نصاب ہے ان میں ٹیکنالوجیکل مضامین کا کیا کام؟ جس طرح کسی ڈاکٹر کو جوتیاں گانٹھنے کا علم سکھانا ضروری نہیں بلکہ اس کی شان کے خلاف ہے ایسے ہی مدارس کے طلبہ کو بڑھئی، لوہار، پلمبر، الیکٹریشن وغیرہ جیسے پیشوں کی تعلیم دینے اور مکینیکل ٹیکنالوجی پڑھانے کی ضرورت کیوں ہے؟

دراصل دینی مدارس کے نصاب کا مقصد علماء تیار کرنا ہے، اور نئے گلوبل نظام میں علماء کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ائمہ مساجد بھی تیار کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کام آئندہ مسٹروں سے لیا جانا ہے، اس لئے مدارس قصور وار ہیں کہ وہ خالص قسم کا گاڑھا علم خواہ مخواہ میں مفت دے رہے ہیں ..... دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ مدارس کے بچوں کو فنی تعلیم اس لئے دی جانی ضروری ہے تا کہ وہ بے روزگاری سے بچ سکیں، ہمارا ان بہی خواہوں سے سوال ہے کہ جتنے ٹیکنیکل کالجوں اور انجنیئر نگ یونیورسٹیوں سے پڑھ کر ہر سال طلبہ نکل رہے ہیں کیا ان سب کے روزگار کا بندوبست مناسب طور پر موجود ہے؟ ..... کہ آپ کو مدارس کے طلبہ کے روزگار کی فکر کھائے جا رہی ہے؟

ایک طرف تو دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کو خود مدارس اور مدارس کے طلبہ کی ضرورت قرار دیا جا رہا ہے دوسری جانب، اسکولوں کے اسلامیات ومعاشرتی علوم کے نصاب میں تبدیلی

Scanned with CamScanner

کا جو تیشہ چلایا گیا ہے اس کی ایک جھلک جناب کاشف حفیظ صاحب کی کتاب کے ایک ورق سے محسوس کی جاسکتی ہے: ...... وہ لکھتے ہیں ...... نصاب تعلیم سے اسلام کے اخراج کے حوالہ سے سب سے بنیادی کام ۲۰۰۲ میں کیا گیا ...... پاکستان کے نصاب تعلیم پر سب سے کاری وار، ڈاکٹر اے ایچ نیر اور احمد سلیم کی رپورٹ بعنوان ...... پر اسرار بغاوت ...... کے ذریعہ کیا گیا ...... جو ایس ڈی پی آئی کی زیر سرپرستی تیار کی گئی .... نصابی ٹیکسٹ بکس پر قائم ہونے والے ایک گروپ نے اپنی سفارشات میں سے ایک سفارش یہ بھی کی کہ ...... تعلیمی پالیسی سے اس طرح کا جملہ خارج کر دینا چاہئے ...... ہمارے جینے کا بنیادی مقصد اسلام سے مکمل وفاداری اور ہماری پہچان ہونا چاہئے .... کیونکہ یہ جملہ محدود ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے ۔نصاب کے حوالہ سے ہونے والی ایک سرکاری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جاوید احمد غامدی نے کہا ...... پرائمری سطح پر اسلامیات کی تدریس ہونی ہی نہیں چاہئے ...... کیونکہ اس سے بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں ......

نصاب تعلیم سے مذہبی اور نظریاتی مواد نکال کر ایک لادین نسل پروان چڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے ...... نام عبدالمنان اور عبدالرحمن ہو مگر طرز فکر لادین، امریکی و یوروپی ہو ایس ڈی پی آئی کی رپورٹ اسی لادینیت کی کوشش ہے ...... کہا جاتا ہے کہ ہاں مذہب اچھا ہے مگر ذاتی حیثیت میں ...... مثلا رزق میں اضافہ کے لئے وظیفے پڑھنا، قرآن مجید ثواب کی نیت سے پڑھنا اور نمازیں پڑھنے کے لئے مسجد ضرور جانا ...... زکوۃ اور عمرے بھی کرنا چاہئے مگر اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں کہ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق بھی کوئی چیز ہے ...... تم اللہ کے خلیفہ اور اس کے نائب کے طور پر زمین پر ودیعت کئے ہی نہیں گئے ...... اس بات کو ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں لانا کہ قال اللہ اور قال الرسول کو دنیا میں سربلند ہونا ہے ...... جہاد کا تو ذکر بھی نہیں کرنا ...... یہ دنیا کے امن کو تباہ کرنے کی سازش ہے ۔اس کا زمانہ گزر چکا ۔ڈرون حملے امن کی بحالی کی کوشش ہیں ۔یہ دین کے ٹھیکیدار صرف ملا ہی کیوں بنے ہوئے ہیں ۔ہم بھی مسلمان ہیں ہمیں معلوم ہے کیا غلط اور کیا صحیح ہے ...... قتل کے بدلے قتل کی

سزا پتھروں کے زمانے کا عمل، چوری کے بدلے ہاتھ کاٹنے کی سزا بربریت اور سنگسار کرنے کی حد وحشی طریقہ ہے۔ حدود آرڈیننس ظلم اور قانون توہین رسالت ناانصافی ہے۔ روح کی غذا موسیقی اور بدن کی شاعری رقص ہے...... اس پر کسی قسم کی پابندی فن وثقافت کی موت ہے ۔فیشن شوز ترقی کی علامت اور نقاب وحجاب دقیانوسیت کی نشانی ۔مخلوط تعلیم سے نوجوانوں میں اعتماد بڑھتا ہے ۔نئی نسل کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بحیثیت مسلمان آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند نہیں.......... علی ہذا القیاس یہ ہے وہ کوشش جو نصابات میں تبدیلی کا مقصود ہے...... اہل وطن کی دینی قوتیں باہم دست وگریباں ہیں یا کردی گئی ہیں...... کاش کہ ہماری دینی قیادت نے آپس کی جنگوں کے محاذ نہ کھولے ہوتے تو اس اسلام دشمن محاذ پر پسپائی ہمارا مقدر نہ بنتی...... رات دن مفت انٹرنیٹ کی سہولت موبائل فون پر نوجوانوں اور نوخیزوں کو دے کر اسے کس کلچر میں دھکیلا جارہا ہے اور اسلام سے کس قدر باغی بنایا جارہا ہے اس کی پرواہ نہیں، اللہ ہماری دینی قیادت کو سمجھ بوجھ اور بصیرت عطا فرمائے اور کچھ مداوے کی صورت پیدا ہو...... (نشر مکرر)

سال ہائے گزشتہ کے ایک شمارے میں ہم نے لکھا تھا:.......... دینی مدارس وطن عزیز کے وہ تعلیمی ادارے ہیں جو اپنے وسائل خود پیدا کرتے ہیں اور بغیر کسی سرکاری گرانٹ کے انسانیت کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہیں انہیں ہمیشہ سرکار کی طرف سے گرانٹ کی پیش کش رہی مگر ان میں سے ان مدارس نے جو دینی غیرت وحمیت کے جذبے سے قائم ہوئے ہیں، نے گرانٹ لینے سے گریز وانکار کیا...... بالخصوص صوفیا کے زیر اثر مدارس ہمیشہ اس سے محترز رہے اس طرح وطن عزیز کے سرکاری وسائل پر کسی قسم کا کوئی بوجھ ڈالے بغیر قیام پاکستان سے تاحال یہ مدارس اپنی شان استغناء کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں...... کہیں کہیں کچھ مدارس نے اگر سرکاری وظیفہ قبول کیا تو وہ بھی طلبہ کے حصے کی وہ زکوۃ جو براہ راست ان تک پہنچنے کی بجائے سرکار کے کھاتے میں اس لئے چلی گئی تھی کہ وہ زکوۃ ادا کرنے والوں کے بینک کھاتوں سے وضع کرلی گئی تھی...... اس طرح مدارس نے پھر بھی قومی خزانے پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ زکوۃ کی مد جو غریب طلبہ دین کے لئے

منجانب اللہ مختص ہے اسی سے اپنا حصہ حاصل کیا......

مغرب چونکہ ان مدارس کے درویشوں سے سخت خائف ہے اور اسے یقین واثق ہے کہ اس اسلامی ملک میں جو کچھ رکاوٹ مغربیت کے پروان چڑھنے میں ہے وہ انہی مدارس اور ان کے فارغ التحصیل علماء کی وجہ سے ہے اس لئے اس نے مدارس کی امداد رکوانے کی ہر ممکن کوشش کی اور مدارس کو عطیات دینے والے تاجر ومتمول حضرات پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے ......دوسری طرف مدارس کو یہ باور کرانے کی کوششیں جاری ہیں کہ تمہارے فارغ التحصیل طلبہ بے روزگاری کا شکار ہیں یا کم از کم نہایت معمولی تنخواہوں پر ان کا گزر بسر ہے ان کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مدارس اپنا وہ نصاب ختم کردیں جو خالص عالم پیدا کرتا ہے بلکہ اس نصابِ زریں میں کچھ ٹاٹ کے ایسے پیوند بھی لگالیں جن سے روٹی روزی کمانے کا معاملہ آسان ہوجائے، حال ہی میں تنظیمات مدارس کی اعلی سول وفوجی حکام سے ملاقاتوں میں مدارس کے حوالہ سے کچھ ناخوشگوار کلمات کا تبادلہ بھی ہوا ہے، اور دھمکی آمیز لب ولہجہ بھی اختیار کیا گیا ہے، اس سے اہل مدارس کو سمجھ جانا چاہیئے کہ کمال اتاترک کی مظالم کی داستان پاکستان میں دہرائے جانے کے واضح خدشات وامکانات ہیں...... مدارس کی آزادیاں سلب کرنے کا مقصد بہت واضح ہے کہ کسی لبرل کاز کے مخالف کوئی دینی قوت کہیں تیار نہ ہونے پائے۔اور دینی قوتوں کو شاید ابھی بھی اپنے پھول برداروں پر بھروسہ ہے کہ کچھ نہیں ہوگا......اول تو دینی قوتیں رہ ہی کہاں گئی ہیں اور رہی سہی باہم دست وگریباں ہیں یا کردی گئی ہیں۔ خدارا کسی کے مکر وفریب میں نہ آئیں اپنی بقا اور آزادی کی جدوجہد تیز کریں۔

دینی مدارس کی اسناد کو سرکاری سطح پر منظور کروانے میں انجمن طلبہ مدارس عربیہ پاکستان کا اہم رول رہا ہے اور مجلہ فقہ اسلامی کے بانی جناب ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب نے اس کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے ستر کی دہائی میں بڑی محنت کی ہے صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کے وزیر تعلیم جناب محمد علی ہوتی سے انجمن کے ایک وفد نے ملاقات کرکے اس کام کا آغاز کیا اور تمام مکاتب فکر کے علماء کو اس اہم کام کی طرف متوجہ کیا' چنانچہ اسناد کو ایم اے

Scanned with CamScanner

عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دلوانے میں دیگر علماء کے علاوہ سب سے اہم کردار موجودہ رئیس کلیہ معارف اسلامیہ ڈاکٹر شکیل اوج کے شیخ و مرشد قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالی نے ادا کیا تھا...... یہ اسناد آنکھ بند کر کے ایک ہی دن میں منظور نہیں کر لی گئی تھیں بلکہ ان پر حکومتی سطح پر اس وقت کے ممتاز یونیورسٹی اساتذہ، یو جی سی اور وزارت تعلیم کے اعلی افسران نے کئی ماہ کے غور و خوض کے بعد انہیں عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا تھا اور صدر مملکت نے بصد مسرت اس کا اعلان فرمایا تھا

شہادۃ العالمیہ کی سند کو ڈبل ایم کے کے مساوی اسی لئے تسلیم کیا گیا تھا کہ دورہ حدیث تک پہنچتے پہنچتے دینی مدارس کے طلبہ وہ تمام نصاب مکمل کر لیتے ہیں جو عصری جامعات کے شعبہ ہائے عربی و اسلامیات میں پڑھائے جاتے ہیں ...... علمی انحطاط کے باعث جن مضامین کو جامعات کے نصاب سے خارج کر دیا گیا اور ان کی جگہ بھرتی کے مضامین ڈال دئے گئے، مدارس میں اب بھی ان پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے...... اس لئے یہ اسناد کسی صورت ڈبل ایم اے سے کم درجہ کی نہیں......

مگر اب ارباب حل و عقد کی جانب سے سننے میں آرہا ہے کہ اسناد جاری کرنے کا اختیار تنظیمات مدارس سے چھین کر وزارت تعلیم کو دیا جا رہا ہے......

ماضی میں بھی دینی مدارس کو ناکام کرنے اور عوام کو ان سے متنفر کرنے کے لئے ہر اسلام دشمن نے مختلف ہتھکنڈے اختیار کئے مگر سوائے ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوا، ہمارا مطالبہ ہے کہ مدارس کی اسناد جنہیں یو جی سی ڈبل ایم اے تسلیم کر چکی ہے ان میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہونے دی جائے.......... اور اہل مدارس اپنی بقا اور آزادی و خود مختاری کی جنگ لڑنے کے لئے متحد ہو کر متفقہ لائحہ عمل اپنائیں ...... ورنہ مدارس کی بساط لپیٹنے کے انتظامات کئے جا چکے ہیں اور نئی رجسٹریشن اور نصاب میں تبدیلیاں محض بہانہ ہے .... اصل مقصد مدارس کو ختم کر کے دینی قوتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہے کیونکہ ہر لادینی عمل کے سامنے ہمیشہ یہی لوگ کھڑے ہوتے اور بند باندھتے ہیں .... (کتبہ حافظ محمد اجمل)

☆...... ھر کہ دست از جان بشوید .... ھر چہ در دل دارد بگوید...... ☆

حضرت معاذ بن جبلؓ کی فقہی خدمات

فوزیہ تسلیم

حالاتِ زندگی

نام ونسب: آپ کا نام معاذ بن جبل الانصاری ہے۔معاذ اسم مفعول کے وزن پر ہے۔۱؎
معاذبن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذبن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعدبن علی بن اسدبن سارده بن تزیدبن جشم بن الخزرج الانصاری الخزرجی الجشمی المدنی ہے۔اوروہ بنوادی بن سعد میں منسوب ہیں۔اوران کا کچھ نسب بنوسلمہ بن سعد سے ہے۔۲؎

کنیت:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔مگرابواحمد الحاکم فرماتے ہیں کہ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔۳؎ یہی کنیت احمد بن علی بن منجویہ الاصبھانی نے رجال المسلم میں نقل کی ہے۔۴؎

حضرت معاذ بن جبل کی والدہ:

آپ کی والدہ کا نام مند بنت سہل جہینہ جو بنورفاع اور جہینہ سے تھیں اوروہ بھی صحابیہ تھیں، معاذ بن جبل کے بعد آپ کی والدہ نے الجد بن قیس سے نکاح کیا اوران سے آپ کا بھائی عبداللہ پیدا ہوا اور آپ کی والدہ آپ کی زندگی میں ہی وفات پاگئی تھیں۔۵؎

اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت معاذ بن جبل کی والدہ کا نام اسمابنت عمرو بن عدی بن نابی بن عمرو بن سوادبن غنم بن کعب بن سلمۃ الانصاریۃ السلمیۃ تھا اوران کی کنیت ام منیع تھی اوروہ عقبہ میں ستر انصار کے ساتھ حاضر ہوئی تھیں۔۶؎

حضرت معاذ بن جبل کی ولادت :

حضرت معاذ بن جبل کی ولادت میں اختلاف ہے۔زیادہ راجح قول یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی ولادت ہجرت سے اٹھارہ سال قبل ہوئی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے پانچ سال قبل اور اسی طرح ہی بہت سی کتب میں ذکر ہے۔ ۷

حضرت معاذ بن جبل نے اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضرت معاذ بن جبل عقبہ ثانیہ کی بیعت میں بھی شامل تھے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت عقبہ ثانیہ سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔اور یہ بیعت بعثت کے تیرہویں سال کے آخر میں واقع ہوئی تھی۔ ۸

حضرت معاذ بن جبل کی پرورش :

جب حضرت معاذ بن جبل کی ولادت یثرب میں ہجرت سے اٹھارہ سال قبل، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے ۵ سال قبل ولادت ہوئی۔

حضرت معاذ بن جبل اپنی فطرت میں دوسرے بچوں سے مختلف تھے۔اور اس وقت جاہلیت کا دور دورہ تھا۔اس وقت اہل یثرب میں بہت اختلافات اور لڑائیاں تھیں۔خاص کر اوس اور خزرج کے قبائل اس میں مشہور ہیں۔اور دوسری طرف یہود کی لڑائی تھی۔

اوس اور خزرج اپنے بچوں کی پرورش اس بنا پر کرتے تھے کہ وہ بہادر بنیں اور جنگ جو بنیں اور اسی طرح حجرت معاذ بن جبل کی پرورش بھی اسی ماحول میں ہوئی۔پھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کا انتقال ہو گیا۔(۹)

حضرت معاذ بن جبل کا قبول اسلام:

حضرت معاذ بن جبل نے اس وقت اسلام قبول کیا جب انصار کا ایک وفد مدینہ منورہ سے اسلام قبول کرنے کے لیے آیا۔بیعت عقبہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے مدینہ طیبہ میں دار اسعد بن زرارۃ میں اسلام قبول کیا۔ان کو حضرت مصعب بن عمیر نے اسلام کی دعوت دے کر کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔اسلام کی دعوت مدینہ طیبہ میں ہجرت سے قبل ہی پہنچ چکی تھی۔ ۱۰

مدینہ طیبہ کے اندر دار اسعد بن زرارۃ، دار ارقم بن ابی ارقم کی طرح تھا جو کہ مکہ میں واقع تھا۔جو کہ اسلامی معلومات کا مرکز تھا۔اور اسلام کے انوار اسی سے روشن ہوئے۔یہاں تک کہ لوگوں نے اللہ

Scanned with CamScanner

تعالیٰ کے اس دین کو قبول کرلیا۔

حضرت معاذ بن جبل نے جب اسلام قبول کیا تو آپ اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔

ابن اسحاق نے کہا۔

عن ابن عطاء، عن ابیہ، قال: (اسلم معاذبن جبل وھو ابن ثمانی عشرۃ سنۃ) (۱۱)

''حضرت معاذ بن جبل نے جب اسلام قبول کیا۔ تو اس وقت آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی'' غزوہ بدر میں بھی شرکت کی جسے سب نے دیکھا۔ بعض مورخین کے بقول وہ ابھی بالغ نہ ہوئے تھے، ان کے والد نے اسلام کا زمانہ نہ پایا جبکہ بعض کے بقول حضرت معاذ بن جبل اسلام قبول کرتے وقت بالغ تھے یا اس سے تھوڑا پہلے۔ باپ کی وفات کے بعد حضرت معاذ بن جبل کی پرورش ان کی ماں نے کی۔ پھر حضرت معاذ بن جبل سے عنایات کا سایہ اٹھ گیا یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ زمانہ آیا۔ اور وہ دین جو نبی اکرم ﷺ لائے آپ نے اس کو قبول کرلیا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی دعوت رنگ لائی۔ تو انہوں نے قبیلہ والوں کو ایک دوسرے سے دشمنی ختم کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ تم سب اللہ کے دین میں بھائی بھائی بن جاؤ اور انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

مواخات: ۔ جعفر بن ابی طالب: مہاجرین کی طرف سے آپ کے بھائی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین اور انصار کو بلایا تاکہ مہاجرین اور انصار اپنے اپنے بھائی کو چن لیں اور آج کے بعد وہ بھائی بھائی ہوں گے جو یہ مشکل اور آسانی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے یہاں تک کہ جب ایک ان میں سے وفات پائے تو دوسرا اس کی جائیداد کا وارث ہوگا۔ ۱۲

واقدی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت معاذ بن جبل کے درمیان مواخاۃ فرمائی۔ اور ابن حزم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ ہوئی تو حضور نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل کے درمیان یہ مواخات قائم کی۔

اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ بے شک یہ روایت ابن اسحاق کی طرف خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا۔ ۱۳

آپ کے دوسرے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور یہ قول اکثر اہل تاریخ نقل کرتے

ہیں۔اور واقدی نے اس میں روایت کیا کہ اس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔اسی طرح طبقات میں ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے ہاں اس میں اختلاف نہیں ہے۔اور یہی قول راجح ہے۔

حضرت معاذ بن جبل نے اپنی پہلی جنگ کا آغاز غزوہ بدر سے کیا اور کفار کے مقابلہ میں آئے۔۱۴؎

پھر حضرت معاذ بن جبل مدینہ طیبہ کے لوگوں کے ساتھ نکلے جو سن ہجری سے قبل مکہ کی طرف جا رہے تھے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقبہ کی گھاٹی میں ایام تشریق کے درمیان ملاقات ہوئی۔انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔۱۵؎

اور حضرت معاذ بن جبل مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹے تو وہ اس دین سے خوش اور شاداں تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دل وجان سے تسلیم کر چکے تھے۔اور پھر اپنی قوم میں اس دین کی دعوت کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہو گئے۔

حضرت معاذ بن جبل نے جب اسلام قبول کیا تو بنی سلمہ کے بتوں کو آپ نے اور ثعلبہ بن غنمہ نے توڑ دیا اور اس وقت عبداللہ بن انیس بھی آپ کے ساتھ تھے۔

اور انہی سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل یہودیوں کو کہتے تھے کہ اے یہودیوں کی جماعت اللہ تعالی سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو کیونکہ تم ہم پر محمد عربی کا واسطہ دے کر مدد طلب کرتے تھے۔اور ہم اہل شرک تھے اور تم نے ہی ہمیں خبر دی کہ وہ محمد عربی مبعوث ہونے والے ہیں۔اور تم ہی ان کی صفات کو ہمارے سامنے بیان کرتے تھے۔۱۶؎

وصیت:

امام ترمذی ایک حدیث بیان کرتے ہیں، کہ حضرت یزید بن عمرہ کہتے ہیں کہ جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو ان سے درخواست کی گئی کہ اے ابوعبدالرحمن ہمیں وصیت کیجئے۔تو معاذ بن جبل فرمانے لگے۔

قال اجلسونی فقال ان العلم والایمان مکانھمامن ابتغاھماوجدھمایقول ‘ذلک ثلاث مرات والتمسواالعلم عندار بعۃرھط عندعویمرابی الدردای وعندسلمان الفارسی وعندعبداللہ بن مسعو دوعندعبداللہ بن سلام الذی کان یھو دیافاسلم فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ عاشر عشرۃفی الجنۃ۔۱۷؎

★الاعمال بخواتمھا...... شاھنامہ آخرش خوش است☆

انہوں نے فرمایا مجھے بٹھاؤ پھر فرمایا ایمان اور علم اپنی جگہ موجود ہیں جوانہیں تلاش کرے گا وہ یقیناً پالے گا۔ تین مرتبہ یہی فرمانے کے بعد فرمایا علم کو چار شخصوں کے پاس تلاش کرو۔ایک ابودرداء دوسرے سلمان فارسی تیسرے عبداللہ بن مسعود اور چوتھے عبداللہ بن سلام، جو یہودی تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔میں نے نبی اکرم ﷺ کو ان کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ان دس میں سے ہیں جو جنتی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل کی وفات:

حضرت معاذ بن جبل نے بابرکت طویل زندگی پائی، جس میں انہوں نے علم حاصل کیا اور عمل کیا نیکی کی دعوت کو عام کیا جہاد کیا حتی کہ آپ کے پاس اجل کا فرشتہ آ پہنچا۔اور آپ کوچ کرنے کے منتظر تھے تو حضرت معاذ بن جبل بھی روئے اور آپ کے ساتھی بھی رونے لگے۔حسن سے روایت ہے کہ فرمایا جب حضرت معاذ بن جبل کو موت آنے لگی تو آپ نے رونا شروع کر دیا تو آپ سے کہا گیا کہ اے معاذ بن جبل تم رسول پاک کے صحابی ہو کر روتے ہو آپ کیوں روتے ہو۔تو فرمایا کہ میں موت کے ڈر سے نہیں روتا اگرچہ مجھے آجائے۔نہ تو میں نے دنیا کا مال چھوڑا ہے کہ اس پر روؤں لیکن میں دو گرفتوں سے ڈرتا ہوں ایک قبر کی دوسری قیامت کے دن کی۔۱۸ے

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ عمواس میں طاعون کے مرض کی وجہ سے فوت ہوئے۔جو کہ شام میں واقع ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں اور ساتھ ہی اس بات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کس سال میں فوت ہوئے۔اس پر تین اقوال موجود ہیں۔۱۹ے

پہلا قول:

کہ حضرت معاذ بن جبل کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال میں ہوئی۔۲۰

دوسرا قول: آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات ہجرت کے اٹھارہویں سال ہوئی اور اکثر کا یہی قول ہے۔۲۱ے

تیسرا قول:

حضرت معاذ بن جبل کی وفات ہجرت کے انیسویں سال میں ہوئی اور یہی قول اور قول ثانی ہی اکثر کا ہے۔اور یہی صحیح ہے۔اور اس میں ابن الاثیر کی نص موجود ہے۔اور نووی نے بھی اس کی نص

Scanned with CamScanner

بیان کی ہے۔ دونوں کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نے عمواس میں جوشام میں واقع ہے۔ طاعون کے مرض کی وجہ سے وفات پائی ہجرت کے اٹھارہویں سال ۲۲۔

آپ کے وفات کے سن میں وقوع اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ تین سال تک طاعون کے مرض میں مبتلا رہے ہوں اور یہی ممکن ہے کہ ایسا کیا گیا ہو۔

:ابن عساکر تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں:

عبدالرحمن بن ابراهيم عن ضمرة بن ربيعة قال توفي معاذ بن جبل بقصير خالد من ارض الاردن۔ ۲۳

اور حضرت معاذ بن جبل کی قبر مبارک مشرقی گورستان میں ہے جس کا نام قصر خالد ہے یا اسے قصر خالد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو کہ اردن میں واقع ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی ازواج:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ آپ کی دو بیویاں تھیں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ کی تین بیویاں تھیں اور ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلی بیوی ام عمرو بنت خلاد بن عمرو السلیمۃ اور یہ اپنی کنیت سے پہچانی جاتی تھیں۔ اور یہ صحابیہ تھیں اور اللہ تعالی کی فرمانبرداری میں مشہور تھیں۔ ۲۴

بخاری میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ:

عن ام عطية رضي الله عنها قالت اخذ علينا النبي صلى الله عليه وسلم عند البيعة ان لا ننوح فما وفت منا امراة غير خمس نسوة ام سليم وام العلاى وابنة ابى سبرة امراة معاذ وامراتين او ابنة ابى سبرة وامراة معاذ وامراة اخرسى۔ ۲۵

ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت کے وقت عہد لیا کہ ہم نوحہ نہ کریں گے ہم میں سے پانچ عورتوں کے سواء کسی نے اس عہد کو پورا نہیں کیا ام سلیم رضی اللہ عنہا ام علاء رضی اللہ تعالی عنہا بنت ابی سبرۃ (معاذ کی بیوی) اور دو عورتیں اور یا یہ کہ س ب ۃ کی بیٹی اور معاذ کی بیوی اور ایک دوسری عورت (راوی کو شک ہے)

دوسری بیوی کا نام رملۃ السکونیہ خروج الاسود الصنی کی ایک خبر میں ذکر آیا ہے۔

تیسری بیوی جن کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ السکونیہ ہے اور یہ احتمال کیا جاتا ہے کہ وہ دوسری ہوسکتی ہے۔جیسا کہ اس کا نام ذکر نہیں ہوا اور اس کی کوئی خبر بھی نہیں۔صرف یحیی بن سعد الانصاری کی روایت میں ایک خبر ہے۔ ۲۶ے

حضرت معاذ بن جبل کی اولاد:

آپ کی اولاد تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔عبدالرحمن آپ کے بڑے بیٹے ہیں اور اسی کنیت سے حضرت معاذ بن جبل کو ابوعبدالرحمن کہا جاتا ہے اور وہ آپ کے بیٹوں میں سے مشہور ہیں۔عمواس میں اپنے باپ کی وفات سے پہلے طاعون کی بیماری کی وجہ سے وفات پا گئے۔ ۲۷

۱۲ اور یہ بھی کہا گیا کہ اپنے والد کی موت کے بعد فوت ہوئے۔اور پہلا قول زیادہ مشہور ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی حدثنا ابو سعید مولی بنی ھاشم حدثنا ثابت بن یزید حدثنا عاصم عن ابی منیب الاحدب قال خطب معاذ بالشام فذکر الطاعون فقال انھا رحمۃ ربکم ودعوۃ نبیکم وقبض الصالحین قبلکم اللھم ادخل علی آل معاذ نصیبھم من ھذہ الرحمۃ ثم نزل من مقامہ ذلک فدخل علی عبدالرحمن بن معاذ فقال عبدالرحمن الحق من ربک فلا تکونن من الممترین فقال معاذ ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ ۲۸

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے شام میں خطبہ کے دوران طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کی رحمت' انبیاء کی دعا اور تم سے پہلے نیکوں کی وفات کا طریقہ رہا ہے اور فرمایا اے اللہ! آل معاذ کو بھی اس رحمت کا حصہ عطاء فرما پھر جب وہ منبر سے اترے اور گھر پہنچے اور اپنے صاحبزادے عبدالرحمن کو دیکھا تو (وہ طاعون کی لپیٹ میں آچکا تھا) اس نے کہا کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لہذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا انشاء اللہ تم مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے۔

اور حضرت عبدالرحمن نے اپنے والد کے ساتھ جنگ یرموک میں حصہ لیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کو بھی پایا' اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے تھے۔اور وہ اہل مدینہ میں سے تھے۔ ۲۹ے

Scanned with CamScanner

دوسرے بیٹے بھی عمواس میں طاعون کے مرض کی وجہ سے اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ فوت ہوئے۔

تیسرے بیٹے کا ذکر یوں ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ حیات میں ہی وفات پا گئے تھے اور نبی اکرم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کی طرف تعزیت نامہ لکھا۔

طبرانی کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ جب میرے بیٹے کی وفات ہوئی تو نبی اکرم ﷺ میری طرف تعزیت نامہ بھیجا جس میں یہ لکھا:

عن معاذ بن جبل ‘انه مات ابن له‘ فكتب اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم يعزيه بابنه ‘فكتب اليه: بسم الله الرحمن الرحيم ‘من محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم الى معاذ بن جبل ‘سلام عليك ‘فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو ‘اما بعد ‘فاعظم الله لك الاجر ‘والهمك الصبر ‘ورزقنا وايك الشكر ‘فان انفسنا ‘واموالنا ‘واهلينا ‘والادنا من مواهب الله الهنيئة ‘وعواريه المستودعة ‘يمتع بها الى اجل ‘ويقبضها الى وقت معلوم ‘وانا نساله الشكر على ما اعطى ‘والصبر اذا ابتلى ‘وكان ابنك من مواهب الله الهنيئة ‘وعواريه المستودعة ‘متعك الله به فى غبطة وسرور ‘وقبضه منك باجر كثير: الصلاة والرحمة والهدى ان احتسبته ‘فاصبر ‘ولا يحبط جزعك اجرك فتندم ‘واعلم ان الجزع لا يرد ميتا ‘ولا يدفع حزنا ‘وما هو نازل فكان قد والسلام‘‘ ۳۰

حضرت معاذ بن جبل کے بہن بھائی:

آپ کے نسب سے چار بہن بھائی ہیں۔ پہلا حضرت ربیعہ بن جبل ہیں اور ابن حزم ۳۱ نے اس بات کو ذکر کیا ہے۔ دوسرے بھائی کا نام عبداللہ بن الجد بن قیس اور تیسرے سھل بن محمد بن الجد بن قیس اور آپ کی بہن الصعبة، جو کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کی سگی بہن ہیں۔ ۳۲

حضرت معاذ بن جبل کی صفات اور اخلاق:

حضرت معاذ بن جبل خوبصورت نوجوان طویل القامت اور نرم طبیعت کے مالک تھے۔ عبدالرزاق اور اس کے علاوہ کعب بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا کہ

كان معاذ بن جبل رجلا طوالا ابيض ۔حسن الثغر عظيم العينين۔ مجموع الحاجبين

جعدا قططا۔

حضرت معاذ بن جبل ایک خوبصورت نوجوان اور سماحت والے اور اپنی قوم کے خوبصورت نوجوانوں میں سے تھے جب بھی ان سے کوئی چیز مانگتا تو فوراً اسے عطا فرماتے۔ ۳۳

امام مالک نے ابوادریس خولانی سے روایت کی ہے کہ:

عن ابی ادریس الخولانی انه قال دخلت مسجد دمشق فاذا فتی شاب براق الثنایا و اذا الناس معه اذا اختلفوا فی شئی اسندوا الیه و صدروا عن قوله فسالت عنه فقیل هذا معاذ بن جبل فلما کان الغد هجرت فوجدته قد سبقنی بالتهجیر و وجدته یصلی قال فانتظرته حتی قضی صلاته ثم جئته من قبل وجهه فسلمت علیه ثم قلت والله انی لاحبک الله فقال الله فقلت الله فقال الله فقلت الله فقال الله قال فاخذ بحبوة ردائی فجبذنی الیه وقال ابشر فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قال الله تبارک و تعالی وجبت محبتی للمتحابین فی و المتجالسین فی و المتزاورین فی و المتباذلین فی عن عبدالله بن عباس انه کان یقول القصد و التودد و حسن السمت جزی من خمسة و عشرین جزءا من النبوة۔ ۳۴

ابوادریس خولانی فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا وہاں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو سفید دندان تھا اس کے ساتھ والے لوگ جب کسی بات میں اختلاف کرتے ہیں تو جو وہ کہتا ہے اسی کی سند پکڑتے ہیں اور اس کے قول پر تھم جاتے ہیں میں نے پوچھا یہ نوجوان کون ہے لوگوں نے کہا معاذ بن جبل ہیں جب دوسرا روز ہوا تو میں بہت سویرے گیا دیکھا تو وہ مجھ سے پہلے آئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں میں ٹھہرا رہا جب نماز پڑھ چکے تو میں ان کے سامنے آیا اور سلام کیا پھر میں نے کہا میں تم کو اللہ جل جلالہ کے واسطے چاہتا ہوں اور محبت کرتا ہوں انہوں نے کہا اللہ کے واسطے؟ میں نے کہا ہاں اللہ کے واسطے انہوں نے پھر کہا اللہ کے واسطے؟ میں نے کہا ہاں اللہ کے واسطے پھر انہوں نے میری چادر کا کونا پکڑ کے مجھے کھینچا اور کہا خوش ہو جا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں واجب ہوئی محبت میری ان لوگوں سے جو میرے واسطے دوستی اور محبت رکھتے ہیں اور میرے واسطے مل کر بیٹھتے ہیں اور میرے واسطے اپنی جان اور مال صرف کرتے ہیں اور میرے واسطے ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں میانہ روی اور نرمی اور اچھی سج دھج ایک جز ہے

نبوت کے پچیس اجزا میں سے۔

حضرت ابوسلیم خولانی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دمشق کی ایک مسجد میں آیا۔جبکہ وہاں ایک حلقہ لگا ہوا تھا۔جس میں اصحاب رسول ﷺ موجود تھے۔جب وہ کسی بات میں اختلاف کرتے۔تو وہ ایک بات کرتے جوکہ آخری فیصلہ ہوتا میں نے ان کی مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تواس نے جواب دیا یہ حضرت معاذ بن جبل ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت معاذبن جبل طویل القامت۔سفید رنگت والے تھے،بڑی آنکھوں والے جن کی بھویں ملی ہوئی تھیں۔۳۵؎

ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل لمبے قد کے مالک تھے اوراسی بارے میں حضرت بشیر بن یسار فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاذبن جبل کو یمن کی طرف مدرس بنا کر بھیجا فرماتے ہیں کہ ایک طویل قدوالے تھے انہوں نے لوگوں کو یمن میں نماز پڑھائی۔تواپنے پاؤں پھیلا دیئے توقوم نے بھی اپنے پاؤں پھیلا دیئے نماز پڑھ کر کہاتم نے سب اچھا کیا لیکن دوبارہ ایسامت کرنا کیونکہ میں نے نماز میں اس لیے پھیلائے کہ مجھے اس کی شکایت تھی۔۳۶؎

کلماتِ ثناء : سفیان بن وکیع،حمید بن عبدالرحمن،داؤدعطار،معمر،قتادہ،حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ان پرسب سے زیادہ سخت عمر،سب سے زیادہ باحیا عثمان بن عفان،حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذبن جبل،سب سے زیادہ علم میراث جاننے والے زیدبن ثابت اورسب سے زیادہ قرات جاننے والے ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔پھر ہرامت کاامین ہوتاہے۔اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے۔:

لوادرکت معاذبن جبل ثم ولیتہ،ثم لقیت ربی عزوجل فقال:من استخلفت علی امۃمحمد؟قلت:سمعت عبدک ونبیک علیہ السلام یقول:(یاتی بین یدی العلماء برتوۃ)۳۷؎

اگرمیں معاذ بن جبل کو پالوں پھر میں اللہ تعالی سے ملوں تواللہ تعالی مجھ سے سوال کریں کہ کس کو امت

محمد کا خلیفہ بنایا ہے تو میں اللہ تعالی سے عرض کروں گا میں نے تیرے نبی اور بندے سے سنا ہے قیامت کے دن علماء کے آگے آگے معاذ بن جبل ہوں گے۔

عن اسامة بن زید، عن صفوان بن سلیم، قال: "لم یکن یفتی فی مسجد رسول اللہ ﷺ زمن رسول اللہ ﷺ غیر ھؤلاء: عمر، وعلی، ومعاذ، وابو موسی رضی اللہ عنھم" ۴۸

"اسامہ بن زید صفوان بن سلیم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زمانے میں مسجد نبوی میں حضرت عمر، علی، معاذ، ابو موسی کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی فتوی نہیں دیا کرتا تھا۔

حدثنا علی بن رباح، عن ابیہ، قال: خطب عمر الناس بالجابیة، فقال: (من احب ان یسال عن الفقہ فلیات معاذ بن جبل) ۴۹

علی بن رباح اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، حضرت عمر بن خطاب نے خطبہ دیا اور فرمایا جو فقہ کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ معاذ بن جبل کے پاس چلا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل کا قیاس واجتہاد:

وعن معاذ بن جبل: ان رسول اللہ ﷺ لما بعثہ الی الیمین قال: "کیف تقضی اذا عرض لک قضاء؟

قال: فبسنة رسول اللہ ﷺ قال: فان لم تجد فی سنة رسول اللہ؟" قال: اجتھد برایی ولا آلو قال: فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال: الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ"

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب ان (معاذ) کو (قاضی وحاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ انھوں نے کہا کہ "میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کے موافق فیصلہ کروں گا۔ "فرمایا" اگر تمہیں وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملا؟ انہوں نے کہا پھر میں سنت رسول ﷺ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نبوی ﷺ) کے موافق فیصلہ کروں گا "فرمایا" اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ملا؟ "انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے

اجتہاد و حقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا"۔ (وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذ کے سینے پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو اور فرمایا) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول (یعنی معاذ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے (اللہ) اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو"۔

میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا" کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب وسنت میں مذکور ہیں بایں طور کہ کتاب وسنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں ان کے مطابق اس قضیہ کا حکم وفیصلہ کروں گا۔ محدثین نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے میں غور وفکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے وہ کون سے ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم وفیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے، چنانچہ آئمہ مجتہدین کے یہاں اس قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان آئمہ مجتہدین نے قیاس کی علت وبنیاد میں اختلاف کیا ہے مثلاً گیہوں کے ربوا (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں نفس (یعنی صریح حکم) جب کہ تربوز کے بارے میں ایسی نص نہیں ہے۔ لہذا حضرت امام شافعی نے تربوز کو گیہوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربوا کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گیہوں کے ربوا کے حرام ہونے علت اس کا کھائی جانے والی چیز ہے" اس لئے گیہوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربوا بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک گیہوں کے ربوا کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا کیل (یا موزوں) ہونا ہے اس لئے انہوں نے گیہوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربوا بھی حرام ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی فقہی مسائل میں آراء

۱...... طہارت سے متعلق فقہی مسائل:

وضو کر کے اللہ کا ذکر کرنے کی فضیلت:

حدثناروح وحسن بن موسی قالا ثنا حماد بن سلمة عن عاصم بن بهدلة عن شهر بن حوشب عن ابی ظبية عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال مامن مسلم یبیت علی ذکر الله طاهر افیتعار من اللیل فیسال الله عز وجل خیر امن امر الدنیا و الآخرة الا اعطاه ایاه قال حسن فی حدیثه قال ثابت البنانی فقدم علینا هاهنافحدث بهذا الحدیث عن معاذ قال ابوسلمة اظنه اعنی اباظبیة حدثناروح حدثنا حمادعن ثابت قال قدم علینا ابوظبیة فحدثنافذکر مثل هذا الحدیث۔ ۴۰

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا جومسلمان باوضو ہوکراللہ کاذکرکرتے ہوئے رات کوسوتاہے پھررات کے کسی حصے میں بیدارہوکراللہ سے دنیاوآخرت کی جس خیرکابھی سوال کرتاہے اللہ اسے وہ ضرورعطاءفرماتاہے۔گزشتہ حدیث اس دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

حدثناموسی بن اسماعیل ٗحدثناحماد ٗاخبرناعاصم بن بهدلة ٗعن شهر بن حوشب ٗعن ابی ظبية ٗعن معاذبن جبل ٗعن النبی صلی الله علیه وسلم ٗقال:(مامن مسلم یبیت علی ذکرطاهرا ٗفیتعار من اللیل فیسال الله خیر امن الدنیا و الآخرة الا اعطاه ایاه) ۴۱

حضرت معاذبن جبل رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوبھی مسلمان رات کوپاکی کی حالت میں(یعنی وضویاتیمم کرکے)ذکراللہ کرتاہواسوجائے اورپھررات کوبیدارہونے کے بعداللہ سے بھلائی کی دعامانگےتواللہ تعالی اسے(دنیایاآخرت میں ضرورہی بھلائی دیتاہے۔

قے اورنکسیرپھوٹنے سے نقص وضو:

قے اورنکسیرپھوٹنے سے وضوکرناچاہیے یانہیں اس بارے میں دومواقف ہیں ٗہم ذیل میں دونوں کوبیان کریں گے اورحضرت معاذبن جبل کی فقاہت بھی بیان کریں گے۔

پہلاموقف:

قے اورنکسیرپھوٹنے سے وضوٹوٹ جاتاہے۔

پہلی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اصابه قیی اورعاف اوقلس اومذی فلینصرف فلیتوضاثم لیبن علی صلاته وهو فی ذلک لایتکلم۔ ۴۲

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو نماز میں قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منہ بھر کر پانی نکلے یا مذی نکل جائے تو وہ واپس جا کر وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے اور اس دوران وہ بات نہ کرے۔

عن یزیدبن عبداللہ بن قسیط اللیثی انہ رای سعیدبن المسیب رعف وھویصلی فاتی حجرۃ ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بوضوی فتوضاثم رجع فبنی علی ماقدصلی۔ ۴۳

یزید بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب کے نماز میں نکسیر پھوٹی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ام سلمہ کے حجرہ میں آئے قئے کی پھر ان کے لیے وضو کا پانی لایا گیا تو انہوں نے وضو کیا پھر لوٹ گئے اور اپنی سابق نماز پر بنا کر لی۔

عن عمربن عبدالعزیز قال قال تمیم الداری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوضوء من کل دم سائل۔ ۴۴

''حضرت عمر بن عبدالعزی ۴۵ ے رحمہ اللہ تعالی علیہ تمیم داری ۴۶ ے سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی علیہ کا یہی مسلک ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے یعنی اگر بدن کے کسی بھی حصہ سے خون نکلا اور نکل کر اس حصہ تک بہہ گیا جس کا دھونا وضو اور غسل میں ضروری ہوتا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ یہ حدیث امام صاحب کے مسلک کی دلیل ہے امام صاحب کے علاوہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے۔

وکل دم سائل من الجسد حدثا یوجب الوضوء للصلاۃ وبذلک قال ابوحنیفۃ واصحابہ والثوری والحسن بن حی۔ ۴۷

حواشی

۱۔ ابن سعد: ابوعبداللہ محمدبن سعدبن منیع الھاشمی بالولاء، البغدادی: (المتوفی: ۲۳۰ھ) تحقیق: محمدعبدالقادر ۔الطبقات الکبری ۳/۴۳۷: ناشر: دارالکتب العلمیۃ۔بیروت، طبع: الاولی، ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰م

۲۔علی بن ھبہ اللہ بن ابی نصر بن ماکولا۔الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء والکن ۱/۴۵ :ناشر: دار الکتب العلمیة۔بیروت طبع الاولی' ۱۴۱۱

۳۔البغوی:ابو القاسم عبداللہ بن محمدبن عبدالعزیزبن البغوی (المتوفی:۳۱۷ھ)محقق:محمدالامین بن محمدالجکنی 'معجم الصحابہ ' ۵/۲۶۵:ناشر:مکتبہ دارالبیان۔الکویت۔طبع:الاولی' ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰م

۴۔الاصبہانی:احمدبن علی بن منجویہ الاصبہانی ابوبکر رجال صحیح مسلم: ۲/۲۳۲تحقیق :عبداللہ اللیثی:ناشر:دار المعرفۃ سنۃ النشر:۱۴۰۷ مکان النشر:بیروت

۵۔ابن حبان:محمدبن حبان بن احمدبن حبان ابوحاتم'الدارمی (المتوفی:۳۵۴ھ)الثقات ابن حبان'۳/۲۶۸:طبع :وزارۃ المعارف للحکومہ العالیہ الھندیہ ذریعے طبع:الدکتور محمد عبدالمعید خان مدیر دائرۃ المعارف عثمانیہ ناشر:دائرۃ المعارف العثمانیہ بحیدر آباد الدکن الھند'طبع:الاولی'۱۳۹۳ھ:۱۹۷۳

۶۔ابن سعد:ابوعبداللہ محمدبن سعدبن منیع الھاشمی بالولاء'البغدادی:(المتوفی :۲۳۰ھ)طبقات الکبری ابن سعد الطبقات الکبری'۳/۴۳۷ناشر:دار الکتب العلمیة۔بیروت طبع:الاولی'۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰م

۷۔الاصبہانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی:۴۳۰ھ)معرفۃ الصحابہ'۵/۲۴۳۲

۸۔القرطبی:ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمدالقرطبی (المتوفی :۴۶۳ھ)الاستیعاب فی معرفۃ الاصاب'۳/۱۴۰۲:

۹۔ الاندلسی :ابوالولیدسلیمان بن خلف بن سعدبن ایوب بن وارث الاندلسی (المتوفی :۴۷۴ھ)التعدیل والتخریج۔۲/۷۱۰:محقق:د۔ابولبابہ حسین ناشر:دار اللواء للنشر والتوزیع۔الریاض طبع:الاولی'۱۴۰۶۔۱۹۸۶

۱۰۔الشیرازی:ابواسحاق ابراھیم بن علی الشیرازی (المتوفی:۴۷۶ھ)محقق:احسان عباس'طبقات الفقہاء'۱/۴۵ :ناشر:دار الرائد العربی'بیروت۔لبنان'طبع:الاولی'۱۹۷۰

۱۱۔الاصبہانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی :۴۳۰ھ)معرفۃ الصحابہ ۵/۲۴۳۵

۱۲۔الاعلام ۶/۳۱۱

۱۳۔ابن سعد:ابو عبداللہ محمدبن سعدبن منیع الهاشمی بالولاء'البغدادی:(المتوفی:۲۳۰ھ)طبقات الکبری ابن سعد ۳/۵۸۴

۱۴۔ابو الفلاح:عبدالحی بن احمدبن محمدابن العمادالعکری الحنبلی '(المتوفی:۱۰۸۹ھ)شذرات الذهب فی اخبارمن ذهب ۱/۱۱۳ تخریج احادیث :عبدالقادر الارناؤوطناشر:دار ابن کثیر'دمشق۔بیروت'طبع:الاولی'۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶م

۱۵۔ایضاً

۱۶۔ابن حبان:محمدبن حبان بن احمدبن حبان ابو حاتم'الدارمی(المتوفی:۳۵۴ھ)الثقات ابن حبان'۳/۲۶۸:

۱۷۔ترمذی'ابوعیسی محمدبن عیسی بن سورةبن موسی بن الضحاک'(المتوفی:۲۷۹ھ):جامع ترمذی :حدیث نمبر۳۸۰۴۔ناشر:دارالسلام لنشرو التوضیع'الطبعةالاولی ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)'الریاض'سعودی عرب۔

۱۸۔الطبرانی'سلیمان بن احمدبن ایوب بن مطیراللخمی الشامی'ابوالقاسم الطبرانی (المتوفی:۳۶۰ھ)محقق:حمدی بن عبدالمجیدالسلفی :معجم الکبیر لطبرانی ۲۰/۱۷۲ دارالنشر:مکتبةابن تیمیة۔القاهره:طبع:الثانیة۱۹۸۶م

۱۹۔الاصبهانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی :۴۳۰ھ)معرفةالصحابه'۵/۲۴۳۸

۲۰۔الاصبهانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی :۴۳۰ھ)معرفةالصحابه'۵/۲۴۳۲

۲۱۔ایضا

۲۲۔ایضا

۲۳۔ابن عساکر:ابوالقاسم علی بن الحسن بن هبة اللہ المعروف بابن عساکر(المتوفی:۵۷۱ھ)محقق:عمروبن غرامةالعمروی ابن عساکرتاریخ دمشق ۵۸/۴۵۷:ناشر:دار الفکر للطباعة والنشرو التوزیع:عام النشر:۱۴۱۵ھ۔۱۹۹۵م

۲۴۔الاصبهانی:ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی:۴۳۰ھ)معرفةالصحابه '۵/۲۴۳۴:تحقیق:عادل بن یوسف العزازی الناشر:دارالوطن للنشر'الریاض الطبعة:الاولی ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸م

Scanned with CamScanner

۲۵۔۔بخاری'ابوعبداللہ محمدبن اسماعیل بخاری۔صحیح بخاری:حدیث نمبر ۱۲۴۹

۲۶۔۔القرطبی:ابوعمریوسف بن عبداللہ بن محمدالقرطبی (المتوفی:۴۶۳ھ)الاستیعاب فی معرفۃالاصحاب ۳/۱۲۵۶تاریخ ابن خلدون:۲/۶۰

۲۷ ۔القرطبی:ابوعمریوسف بن عبداللہ بن محمدالقرطبی (المتوفی:۴۶۳ھ)محقق:علی محمدالبجاوی 'الاستیعاب فی معرفۃالاصحاب'۳/۱۴۰۲ناشر:دارالجیل'بیروت 'طبع :الاولی'۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۲م

۲۸۔احمدبن حنبل 'ابوعبداللہ احمدبن محمدبن حنبل بن ہلال بن اسدالشیبانی (المتوفی:۲۴۱ھ)احمدبن حنبل 'ابوعبداللہ احمدبن محمدبن حنبل بن ہلال بن اسدالشیبانی (المتوفی:۲۴۱ھ)۔مسنداحمدبن حنبل :جلدنہم:حدیث نمبر۲۱۴۵ناشر:دارالکتب العلمیہ'طبع۲۔۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م

۲۹۔القرطبی:ابوعمریوسف بن عبداللہ بن محمدالقرطبی (المتوفی:۴۶۳ھ)الاستیعاب فی معرفۃالاصحاب'۳/۱۴۰۸

۳۰۔طبرانی:سلیمان بن احمدبن ایوب بن مطیراللخمی الشامی'ابوالقاسم طبرانی (المتوفی:۳۶۰ھ)المعجم الکبیرالطبرانی ۱۵/۸۰ احدیث نمبر:۱۶۷۴۰۔

۳۱۔الاندلسی:ابومحمدعلی بن احمدبن سعیدبن حزم الاندلسی 'جمہرۃانساب العرب۲/۵۵۸:دارالنشر:دارالکتب العلمیہ۔بیروت/لبنان۔۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳م طبع:ثالثہ

۳۲۔ذہبی:عبدالرحمن بن ابی بکر'جلال الدین السیوطی (المتوفی :۹۱۱ھ)طبقات الحفاظ:ص۴۳۵

۳۳۔ابن سعد:ابوعبداللہ محمدبن سعدبن منیع الہاشمی بالولاء'البغدادی:(المتوفی:۲۳۰ھ)تحقیق:محمدعبدالقادرعطا۔الطبقات الکبری ۳/۴۴۲

۳۴۔امام مالک:انس بن مالک بن عامرالاصبحی المدنی(المتوفی :۱۷۹ھ)موطاامام مالک:حدیث نمبر۱۶۴۲

۳۵۔ابن عساکر:ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃاللہ المعروف بابن عساکر(المتوفی:۵۷۱ھ)تاریخ دمشق'۵۸/۳۸۵

۳۶۔ابن سعد:ابوعبداللہ محمدبن سعدبن منیع الہاشمی بالولاء'البغدادی:(المتوفی:۲۳۰ھ)طبقات ابن سعد ۲/۲۳۴

۳۷۔الاصبہانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی:۴۳۰ھ)معرفة الصحابة۵/۲۴۳۵ حدیث نمبر ۵۹۵۳۔

۳۸۔الاصبہانی:ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی:۴۳۰ھ)معرفة الصحابة۵/۵۹۵۶ حدیث نمبر ۵۹۵۶۔

۳۹۔الاصبہانی :ابونعیم احمدبن عبداللہ بن احمدبن اسحاق (المتوفی:۴۳۰ھ)معرفة الصحابة۵/۵۹۵۵ حدیث نمبر ۵۹۵۴۔

۴۰۔دارمی:جلدسوم:حدیث نمبر ۸۶۴

۴۲۔احمدبن حنبل'ابوعبداللہ احمدبن محمدبن حنبل بن ہلال بن اسدالشیبانی (المتوفی :۲۴۱ھ)مسنداحمدبن حنبل:جلدنہم:حدیث نمبر ۲۱۱۱

۴۲۔ابوداؤد:ابوداؤدسلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شدادبن عمروالسجستانی (المتوفی:۲۷۵ھ)سنن ابوداود:حدیث نمبر:۵۰۴۲

۴۳۔ابن ماجہ:ابوعبداللہ محمدبن یزیدالقزوینی'(المتوفی :۲۷۳ھ)تحقیق:محمدفوادعبدالباقی 'سنن ابن ماجہ:حدیث نمبر ۱۲۲۱'ناشر:داراحیاء الکتب العربیة۔فیصل عیسی البابی الحلبی:طبع ۱۹۸۶م

۴۴۔امام مالک:انس بن مالک بن عامرالاصبحی المدنی (المتوفی :۱۷۹ھ)'موطاامام مالک:حدیث نمبر ۷۰

۴۵۔سنن الدارقطنی ۱/ ۲۸۷ حدیث ۵۸۱ حضرت دارقطنی اس حدیث میں کلام فرمارہے ہیں'ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمرابن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی علیہ نے نہ توتمیم داری سے سنا ہے اورنہ انہیں دیکھاہے اس لئے حدیث مرسل ہے'نیزاس حدیث کے دوراوی یزیدبن خالداور یزیدبن محمد کے مجہول میں۔

۴۶۔(امیرالمومنین حضرت عمرابن عبدالعزیزاموی رحمة اللہ علیہ ایک مشہورخلیفہ ہیں اوررجب ۱۰۱ھ) میں اس جہاں فانی سے رحلت فرماگئے)۔

۴۷۔(اسم گرامی تمیم بن اوس الداری ہے ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعدشام میں ان کی وفات ہوئی)۔

الفتاوی المعاصرة

(مفتی) محمد شفیق الرحیم

(۱) زندگی میں وراثت کی تقسیم؟

الاستفتاء:

ہمارا مکان جو نکاح میں ہماری والدہ کے نام کردیا گیا تھا' اب ہمارے والد کے انتقال کے بعد اس کی مالک ہماری والدہ ہیں جنہوں نے وہ مکان مبلغ ۳۳،۰۰،۰۰۰ روپے میں فروخت کردیا ہے۔ اس میں بیٹی' بیٹے اور والدہ کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں چونکہ والدہ مکان کی مالکہ ہیں تو انہیں اس کا مکمل اختیار حاصل ہے کہ اپنے لئے جتنا پیسہ چاہیں رکھ لیں' البتہ جو مال اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہیں' اسے اپنی تمام اولاد میں برابری کے ساتھ تقسیم کردیں۔ حدیث شریف میں ہے: عن جابر قال' قالت امراۃ بشیر لبشیر انحل ابنیی غلامک واشھدیی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ ان بنت فلان سالتنی ان انحل ابنھا غلامی وقالت اشھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' فقال "الہ اخوۃ" قال: نعم' قال "افکلھم عطیتہ" قال: لا' قال "فان ھذا لایصلح وانی لااشھد الا علی حق" یعنی حضرت جابرؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت بشیرؓ کی زوجہ نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنا غلام اپنے بیٹے کو عطا فرمادیں اور میرے اس معاملے پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بھی بنالیں پس آپؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا اس کے اور بھائی بھی ہیں"؟ حضرت بشیرؓ نے عرض کی" جی

ہاں'' آپ ﷺ نے استفسار فرمایا ''کیا تو نے انہیں بھی اسی طرح دیا ہے''؟ حضرت بشیرؓ نے فرمایا ''نہیں'' ، تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تب تو ایسا کرنا درست نہیں ہے'اور بیشک میں صرف حق بات ہی کی گواہی دیتا ہوں''۔ اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں فرمایا ''سووا بین اولادکم فی العطیة کما تحبون ان یسووا بینکم فی البر ''یعنی اپنی اولاد کو اسی طرح برابری کے ساتھ دو جس طرح تم چاہتے ہو کہ وہ بھی تمھارے ساتھ برابری کا برتاؤ کریں''۔

(الحدیث ۵۸۴۱'۵۸۳۶' باب: الرجل ینحل بعض بنیہ دون بعض' شرح معانی الآثار)

البتہ دینی فضیلت کے حامل کسی بیٹے یا بیٹی کو زیادہ دینا چاہیں تو جائز ہے۔ مثلاً کوئی بیٹا عالم ہے یا ایک بیٹی حافظہ قرآن ہے اور اس سبب سے اسے (ماں) کچھ زیادہ دینا چاہے تو دے سکتی ہیں جیسا کہ روایت میں ہے ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنی تمام اولاد سے زیادہ عطا فرمایا''۔ (الحدیث ۵۸۴۶ باب: الرجل ینحل بعض بنیہ دون بعض شرح معانی الآثار)۔

''زندگی میں مال کی جو تقسیم ہوتی ہے اسے عطیہ کہتے ہیں اور مرنے کے بعد مال کی جو تقسیم ہوتی ہے اسے ورثہ کہتے ہیں ' لہذا زندگی میں تقسیم کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کو برابر دینا ہوتا ہے جبکہ وراثت میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہوتا ہے۔'' (ملخص از وقار الفتاوی' جلد سوئم' کتاب الفرائض' باب زندگی میں تقسیم وراثت کا بیان)۔

اگر والدہ نے اس مکان کو اپنے شوہر کی زندگی میں اپنے قبضہ واختیار میں نہ لیا ہوتا تو پھر وہ مکان شوہر ہی کی ملک رہتا اور مرنے کے بعد اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوتا کہ کل مال کے (۸) آٹھ حصے ہوتے جس میں سے ماں کو (۱) ایک' لڑکوں کو (۲'۲) دو دو اور تینوں لڑکیوں کو (۱'۱) ایک ایک حصہ ملتا لیکن اب چونکہ ماں ہی اس گھر اور بعد فروخت اس کی قیمت کی اکیلی مالک ہے نیز اپنی زندگی میں ہی اسے تقسیم کر رہی ہے' لہذا اب اولاد کے درمیان تقسیم برابری کے ساتھ ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن قادری: مفتی و مدرس دارالافتاء الفیضان

الجواب صحیح: شیخ الحدیث مفتی محمد اسماعیل ضیائی رئیس دارالافتاء الفیضان

(۲) تھیلیسیمیا کی بنیاد پر اسقاط حمل

کیا الٹرا ساؤنڈ میں مرض تھیلیسیمیا کی بنیاد پر چار ماہ سے زیادہ کا حمل ساقط کروانا جائز ہے؟

Scanned with CamScanner

الاستفتاء:

ایک خاتون کے شکم میں ۲۱ ہفتے کا حمل ہے اور وہ اسقاط کروانا چاہتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بچہ کو تھیلیسیمیا (Thalassaemia) کا مرض ہے جس میں بچے کا خون نہیں بنتا بلکہ ہر تیسرے ہفتے اس کے جسم میں خون چڑھانا پڑتا ہے جو کہ بچے کے لیے بہت تکلیف دہ عمل ہوتا ہے، کیا اس صورت میں اسقاط حمل (Abortion) کروانا جائز ہے؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں ۲۱ ہفتے یعنی ۴ ماہ سے زیادہ ہو چکے ہیں اب روح پھونکی جا چکی ہے لہذا اب اسقاط (Abortion) کروانا جائز نہیں۔بخاری اور مسلم کی حدیث شریف میں ہے" ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یوما، ثم یکون فی ذلک علقة مثل ذلک، ثم یکون فی ذلک مضغة مثل ذلک، ثم یرسل الملک فینفخ فیه الروح" سید عالم ﷺ نے فرمایا "تم لوگوں کا مادہ پیدائش ماں کے شکم میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت خون بستہ ہو جاتا ہے۔پھر اتنی ہی مدت گوشت کی بوٹی کی طرح رہتا ہے پھر اللہ تعالی فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے" (الصحیح لمسلم، کتاب القدر، باب کیفیة خلق ال آدمی۔۔۔ الخ، الحدیث ۲۶۴۳) چار ماہ گذرنے کے بعد بچے کو گرا دینا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے جس کی شریعت میں سختی سے مذمت کی گئی ہے۔اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ولا تقتلوا اولادکم" اور اپنی اولاد قتل نہ کرو"۔نیز فرمایا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق "اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو" (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۳) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اکبر الکبائر الاشراک باللہ، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور یعنی "سب سے بڑا گناہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے"۔(صحیح البخاری، باب قول اللہ تعالی ومن احیاھا" پارہ ۶، سورہ المائدۃ، آیت ۳۲)

اس کا حل یہ ہے کہ شادی سے پہلے یا ابتدائی ایام میں یعنی حمل ٹھہرتے ہی ٹیسٹ کروالیا جائے۔اب چار ماہ گذرنے کے بعد میڈیکل سائنس (Medical science) کے ظنی علم (Doubtful knowledge) کی بنیاد پر اسقاط حمل (Abortion) کروانا حرام اور سخت ناجائز ہے۔لہذا اللہ

پر بھروسہ رکھیں، کسی باعمل اور معتمد عالم دین سے تعویذ کے ذریعے علاج کے لئے رجوع کریں۔حدیث پاک میں ہے:ماانزل اللہ داء الاانزل لہ شفاء) ''اللہ تعالی نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی دوابھی نازل نہ کی ہو'' (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب انزل اللہ داء الاانزل لہ شفاء، الحدیث ۵۶۷۸)۔علاج کے ساتھ ساتھ دعابھی کرتے رہیں، جیساکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافرمان ہے لایرد القضاء الاالدعاء، ولایزید فی العمر الاالبر'' دعاتقدیر کوٹال دیتی ہے اورنیکی عمرمیں اضافہ کرتی ہے'' (ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء لایرد القدر الاالدعا، رقم ۲۱۴۶)۔اللہ شافی الامراض اپنے پیارے محبوب طبیب اعظم کے صدقے میں مسلمانوں کو ہرطرح کے امراض سے شفاءعطافرمائے۔آمین۔واللہ تعالی اعلم

(۳) عیسائی کلاس فیلو کوسانتا کلاس(Santa Claus) تحفے میں دینے کاحکم؟

استفتاء:

میں بی۔کام (B.CoM) کاطالب علم ہوں۔میرا تعلق ایک معروف کوچنگ سینٹر سے ہے۔ہماری جماعت میں ۱۰ طلباء اور ۱۰ طالبات ہیں جن میں سے کچھ طالبات کاتعلق عیسائی مذہب سے ہے۔وہ طالبہ ہمیں اپنی شادی میں مدعوکرتی ہیں، میں نے ایک طالبہ کی شادی میں اسے سینٹا کلاس(Santa claus) تحفہ میں دیدیا توکیااس عمل سے میں گنہگار ہوا؟ حالانکہ میری نیت یہ نہیں کہ وہ اس سے عبادت کرے۔برائے مہربانی میری صحیح رہنمائی فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب : غیرمسلم کوایساتحفہ دیناجس میں اس کی تعظیم ہویاکسی رسم کفر کااعتزاز ہوسخت ناجائز اورقریب بکفر ہے بلکہ اگرتعظیم واعزاز ہی مقصودتھی تب تو ایساکرنے والے پرحکم کفر کاقوی اندیشہ ہے۔سائل کامذکورہ فعل شعارکفر کے اعزازاورفعل کفار سے مشابہت کی وجہ سے بدکام، بدانجام اوراشدحرام ہے۔تنویرالابصارودرمختارمیں ہے:**الاعطاء باسم النیروزوالمهرجان (بان یقال هدیة هذاالیوم)لایجوزای الهدایاباسم هذین الیومین حرام وان قصدتعظیمه کمایعظمه المشرکون یکفر** ''نیروزاورمہرجان کے نام پرعطیہ (بایں طورکہ کہاجائے یہ اس دن کاہدیہ ہے) جائز

نہیں یعنی ان دونوں ایام کے ناموں پر تحفے لینا دینا حرام اور اگر مشرکین کی طرح ان کی تعظیم بھی کرے گا تو کفر ہوگا'' (ردالمحتار ودرمختار شرح تنویر الابصار باب مسائل شتی) فتاوی امام طاہر بخاری وبحرالرائق وتنویر الابصار ودرمختار وعالمگیری وغیرہا میں ہے: وباھدائہ ذلک الیوم للمشرکین ولو بیضۃ تعظیما لذلک الیوم یعنی ''جس نے نوروز کے دن کسی مجوسی کو انڈہ بھی تحفہ میں دیا تو یہ کفر ہے۔'' (البحرالرائق شرح کنزالدقائق' باب احکام المرتدین) ایسی چیز جو بدمذہبوں' غیر مسلموں کا مذہبی شعار ہو اسے تحفے میں دینا ان کے کفر کے کام میں ان کی معاونت کرنا ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے: لانہ اعانۃ علی کفرہ واغوائہ اوتشبہ بھم فی اھدائہ یعنی'' کیونکہ یہ ان کے کفر وگمراہی پر مدد ہے یا ان کے ساتھ ہدایا میں مشابہت ہے۔ (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ) اسی طرح ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار میں ہے: لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر ولو قال لمجوسی یا استاذ تبجیلا کفر۔ اگر کسی نے تعظیم کرتے ہوئے ذمی کو سلام دیا تو کافر ہوجائے گا کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے' اگر کسی نے مجوسی کو بطور تعظیم'' اے استاذ'' کہا تو کفر ہے۔ (الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ' درمختار کتاب الحظر فصل فی البیع)۔ مذکورہ سانتا کلاس (Santa claus) کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سانتا کلاس (Santa claus) ایک عیسائی پادری سینٹ نکولس (saint nicholas) کی تمثیل (Miniature) ہے جو کہ نصاری (Christians) کے نزدیک بذات خود معظم دینی ہے بلکہ بعض عیسائی تو اسے خدائی صفات سے آراستہ ایک ابدی شخصیت گردانتے ہیں چنانچہ ایک عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں:

santa claus also known as saint nicholas.father christmas.kris kringle and simply santa is a mythical figure with legendary.historical and folkloric origins who in many western cultures is said to bring gifts to the homes of the good children on 24 december.the night before christmas.the modern figure of santa claus is derived from the dutch figure of sinterklaas which ,in turu has part of its basis in hagiographical tales concerning the historical figure of christianbishop and gift giver saint nicholas. over time traits of this character and the British folklore character father christmas merged to form the modren santa claus known today.white cuffed red trousers and black leather belt and boots and who carries a bag full of gifts for children.

(wikipedia,The free encyclopedia)

سانتا کلاز سینٹ نکولس، فادر کرسمس، کرس کرنگل اور صرف ''سانتا'' کے طور پر بھی جانا جاتا ہے جو کہ ایک افسانوی، تاریخی، لوک اور مکمل نیک کردار ہے۔ بہت سی مغربی ثقافتوں میں کہا جاتا ہے کہ سانتا کلاس ۲۴ دسمبر کو کرسمس سے پہلی رات، اچھے بچوں کے گھروں پر تحفے لاتا ہے۔ سانتا کلاز کی جدید شخصیت، ایک تاریخی ڈچ شخص سنٹر کلاس کے کردار سے ماخوذ ہے جس کا بنیادی تعلق پادریوں کے قصوں کے تاریخی کردار عیسائی بشپ اور تحفہ دینے والا سینٹ نکولس سے ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، اس کے کردار اور برطانوی لوک کردار فادر کرسمس کی علامات کو ملا دیا گیا جو آج جدید سانتا کلاز کے نام سے جانا جاتا ہے، سانتا کلاز کو عام طور پر ایک موٹا، پر مسرت، سفید داڑھی رکھنے والے، چشمہ پہننے، ایک سفید کالر اور کف کے ساتھ سرخ کوٹ، سفید کف، سرخ پتلون، اور سیاہ چمڑے کے بیلٹ اور جوتے پہنے ہوئے دکھایا جاتا ہے جو بچوں کے لئے تحفے کا بیگ اٹھائے ہوئے ہو۔

santa claus is taught to children as a grand old fictitous being having special god like power of bringing goods and blessings for children

http//www.donimon.org/light.index.html

سانتا کلاس کے بارے میں بچوں کو اس طرح سکھایا جاتا ہے گویا کہ وہ انتہائی پرانا فرضی وجود ہو جس کے پاس بچوں کے پاس اچھائی اور رحمتیں لانے کی کچھ خاص خدائی طاقتیں ہوں۔

سانتا کلاس کو العیاذ باللہ خدا کی صفات کا حامل اور اس کی مثل قرار دینے کا بھی ثبوت ہے جیسا کہ مذکور ہے:۔

santa has been given the attributes of God,and is presented as a god.like figure:

1.Eternal:santa is as old as man,he has aiways been,and he will always be.santa is eternal.jesus is eternal(Revelation1:8)

2.Flying and gifts:Santagoes into the air and gives gifts.jesus ascend on high and gives gifts(Ephesians4:7.8)

3.Coming soon:Santa shall descend from the sky.jesus"Shall descend"from the sky(1 thessalonians4:16)

4.Rewarding works:Santa gives his gifts according to whether you are good or bad (Revelation 20:12.13)

5.All seeing Santa sees you when you are sleeping,and knows when you are

awake.jesus sees you when you are sleeping and knows when you are awake (proverbs 5:21)

6.Entering:Santa can come in though the doors are shut jesus can come in though the doors are shut (john 20:19).

7.Omniscient (all knowing):Santa knows if you've been bad or good.jesu knows if you've been bad or good (proverbs 15:3)

8.Omnipresence (everywhere at one time):Santa can be in one billion homes in a 24 hour period; that is eleven hundred and fifty.seven homes per second,virtually omnipresent.jesus is omnipresent (Matthew 18:20)

9.Omnipotent (all powerful): Santa is powerfull enogh to carry presents for a billion children.that is omnipotence .jesus is Omnipoten(Mathew 28:18)

http://www.ecclesia.org/truth.chrismas.html

سانتا خدا کی صفات دیا گیا ہے' اور ایک خدا کے طور پر پیش کیا جاتا ہے: معاذ اللہ

۱۔ابدی: سانتا اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ بنی آدم' وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' سانتا ابدی ہے۔ یسوع ابدی ہے (مکاشفہ ۱:۸)

۲۔پرواز اور تحفے: سانتا ہوا میں چلا جاتا ہے اور تحائف دیتا ہے۔ یسوع بلندی پر ہے اور تحائف دیتا ہے (افسیوں ۴:۷۔۸)

۳۔جلد آرہا ہے: سانتا آسمان سے نازل ہوں گے۔ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان کی طرف سے نازل ہوں گے (تھسلنیکیوں ۱۶:۴)

۴۔فائدہ مند کام: سانتا آپ کو اچھا یا برا ہونے کے مطابق آپ کے تحفے دیتا ہے۔ یسوع آپ کو آپکے اچھا یا برا ہونے کے مطابق آپ کو تحفے دیتا ہے۔ یسوع آپ کو آپکے اچھا یا برا ہونے کے مطابق آپ کو تحفے دیتے ہیں (۱۲۔ ۱۳ مکاشفہ ۲۰)۔

۵۔سب دیکھ رہے ہیں: سانتا آپ کو دیکھتا ہے جب آپ سو رہے ہوں' اور جانتا ہے جب آپ جاگ رہے ہوں۔ یسوع آپ کو دیکھتا ہے جب آپ سو رہے ہوں' اور آپ کو جانتا ہے جب آپ جاگ رہے ہوں (امثال ۵:۲۱)

۶۔دروازہ: سانتا اندر آسکتے ہیں اگرچہ دروازے بند ہوں' یسوع اندر آسکتے ہیں اگرچہ آپ کے

دروازے بند ہوں (یوحنا۱۹:۲۰)

۷۔خبردار (سب کچھ جاننے والا): سانتا جانتا ہے آپ برے ہوں یا اچھے۔آپ برے ہوں یا اچھے یسوع جانتا ہے۔(۱۳امثال ۱۵)

۸۔واجب الوجود (ہرجگہ میں ایک وقت): سانتا ایک ۲۴ گھنٹے کی مدت میں ایک ارب گھروں میں ہوسکتا ہے، جو کہ گیارہ سو پچاس اور سات گھر فی سیکنڈ کی رفتار ہے، یعنی تقریبا ہر طرف موجود ہے۔حضرت عیسی علیہ السلام ہر طرف موجود ہیں (میتھیو ۲۰:۱۸)۔

۹۔غالب (طاقتور): سانتا ایک ارب بچوں کے لئے تحفے لے جانے کی طاقت کا حامل ہے۔یسوع غالب ہے(میتھو ۱۸:۲۸)

مندرجہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ سانتا کلاس عیسائیوں کے نزدیک معززِ دینی ہے اوراسے تعظیم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے نیز عیسائی اس کی تماثیل (Figures) کو بھی لائق توقیر سمجھتے ہیں کہ جو چیز بذات خود معظم ہواس کا تحفہ کرنا کیونکر لائق اعزاز نہ ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذکورہ پادری کو فادر کرسمس (Father Christmas) بھی کہتے ہیں اوراس کی تمثیل کرسمس کے موقع پر خصوصی طور پر خریدتے، بیچتے اورایک دوسرے کو ہدیہ (Gift) کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”من تشبہ بقوم فھو منھم“، جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلی وہ انہی میں سے ہے(مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ)الاشباہ والنظائر میں ہے: **عبادۃ الصنم کفر و کذالو تزنر بزنار الیھود والنصاری دخل کنیستھم اولم یدخل** بت کی پرستش کفر ہے،اوراسی طرح حکم کفر ہے اگر کسی نے یہودیوں یا عیسائیوں کا زنار (علامت کفر کا دھاگہ) گلے میں باندھا (تو اس حرکت سے کافر ہوجائے گا) خواہ ان کے گرجے میں جائے یا نہ جائے (الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر باب الردۃ) مجدد امام احمد رضا خان علیہ رحمہ فرماتے ہیں ”زنار بھی نہیں کوئی رسی کا ٹکڑا کمر سے باندھا کسی نے کہا یہ کیا ہے، کہا زنار۔کافر ہوجائے گا۔خلاصہ وعالمگیریہ وبزازیہ وظہیریہ وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے: **امراۃ شدت علی وسطھا حبلا وقالت ھذا زنار تکفر**۔یعنی ”کسی عورت نے اپنی کمر میں کوئی رسی باندھی (تو اس سے پوچھا گیا یہ کیا ہے؟) اس نے جواب دیا یہ زنار ہے تو وہ کافرہ ہوجائے گی“۔ظہیریہ ومنح الروض میں ہے: وحرم الزوج

(اس عورت پر شوہر حرام ہوگیا یعنی وہ نکاح سے نکل گئی) (فتاوی ہندیہ بحوالہ خلاصہ کتاب السیر الباب التاسع ومنح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ) یہاں تو خود اس چیز ہی میں مشابہت صورت میں کتنا فرق ہے مگر نام رکھنے سے کفر آیا تو جہاں صورت ونام سب موجود (ہوں تو) حکم تشبہ کیونکر مفقود۔ اگر تمام لباس مردانہ ہو ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار ہو اور بات کرے ناک پر انگلی رکھ کر تو یقیناً تمام عقلاء اس پر ہنسیں گے اور اسے زنانہ کہیں گے اس ایک ہی بات کے آگے وہ تمام لباس وسلاح واسپ کام نہ دیں گے۔۔ کافر سے تشبہ عورت سے تشبہ پر خبث وشناعت میں ہزار درجہ فائق ہے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔ آمین'' (فتاوی رضویہ جلد ۲۴ صفحہ ۵۴۸ تا ۵۵۲)

لہذا سائل کا اسے تحفہ کرنا کفر کے اعزاز اور مشابہت نصاری کی وجہ سے حرام ہے اور سائل پر احتیاطاً تجدید ایمان لازم ہے۔ غیر مسلموں سے بے جا میل جول اکثر یہی نتیجہ لاتا ہے کہ بیچارہ سیدھا سادہ مسلمان دینی تعلیم سے دوری کے سبب ان کفار نابکار کی صحبت بد میں پھنس جاتا ہے ان کی تقریبات ومحافل میں آتا جاتا ہے پھر اس کا دل ان کفار کی طرف التفات کھاتا ہے یہاں تک کہ متذکرہ معاملہ کی مثل کئی اور گناہوں میں پڑ جاتا ہے اور بال آخر نحوست اٹھاتا ہے۔ غیر مسلموں کی آبادیاں اور تقریبات بھی ان ہی کی طرح ملعون ہیں مسلمانوں کو ان سے بھی اجتناب لازم ہے۔ فی الطحطاویۃ عن ابی السعود عن الشرنبلالیۃ دارھم محل تنزل اللعنۃ فی کل وقت ولا شک انہ یکرہ الکون فی جمع یکون کذلک بل وان یمر فی امکنتھم الا ان یھرول ویسرع وقد وردت بذلک آثار۔ طحطاوی میں ابوالسعود کے حوالہ سے شرنبلالیہ سے نقل کیا گیا ہے، وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں ہر وقت لعنت برستی رہتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں ایسی مجلس اور اجتماع ہو وہاں ٹھہرنا مکروہ (تحریمی) ہے بلکہ ان مقامات کے پاس سے گزرنا بھی مکروہ (تحریمی) ہے الا یہ کہ دوڑتے ہوئے جلدی سے گزر جائے (اور وہاں سے نکل جائے) آثار میں یہی وارد ہے (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار)۔

اللہ پاک مسلمانوں کو ان کفار کے شر سے اور ان کے مذہبی معاملات وتہوار سے بچائے، ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے، ایمان پر موت دے اور نیکوں کے ساتھ بروز قیامت ہمیں جمع فرمائے آمین یارب العلمین۔ واللہ تعالی اعلم۔

☆ مگس جایی نخواھد رفت بجز دکان حلوایی ☆

حضرت امامِ شافعی کی مکہ مکرمہ واپسی

چھٹی قسط

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

(گزشتہ سے پیوستہ)

نماز فجر کے بعد کے معمولات سے فارغ ہو کر وہ امام مالکؒ کے ساتھ مسجد سے نکلا۔ امام مالکؒ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بڑی بے تکلفی سے اسے اپنے گھر لے جا رہے تھے اور وہ بھی ان کی عقیدت ومحبت سے سرشار باتیں کرتا ہوا ساتھ چل رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچے تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک طرف خراسان کے سجیلے گھوڑے کھڑے ہیں اور دوسری طرف مصر کے خوبصورت خچر۔ اس نے ان پر طائرانہ نظر ڈالی اور پھر اندر چلے گئے۔ اندر پہنچتے ہی بے اختیار اس کی زبان سے نکلا:

''حضرت گھوڑوں کی کونچیں کیا بتاؤں کتنی خوبصورت ہیں۔ میں نے تو ایسے گھوڑے کبھی دیکھے ہی نہیں''۔ اس کی زبان سے یہ جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ امام مالکؒ نے کہا:

''یہ سب بھی میں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔''

''حضرت! آپ سب کچھ مجھے دے رہے ہیں، کم از کم ایک گھوڑا تو اپنی سواری کے لیے رکھ لیجیے۔'' یہ سنتے ہی امام مالکؒ پر رقت طاری ہو گئی اور پھر رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئے:

''شافعی! مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری سواری اپنی ٹاپوں سے اس سرزمین کو روندے جس کے نیچے اللہ کے رسول آرام فرما رہے ہیں۔'' یہ کہتے کہتے ان کی آواز گھٹنے لگی اور پھر دیر تک روتے رہے۔ اس کا رُواں رُواں امام مالکؒ کی عقیدت سے سرشار تھا۔ اس کی آنکھیں امام مالکؒ کے نورانی چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومنزلت کے بے مثال احساس سے جگمگا رہا تھا اور حب رسول ﷺ سے مسلسل ڈھل رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مسلسل یہ آواز گونجتی رہی:

''شافعی مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میری سواری اپنی ٹاپوں سے اس سرزمین کو روندے جس کے نیچے اللہ کے رسول آرام فرمارہے ہیں''۔اس کے دل نے گواہی دی کہ امام مالکؒ تو بہت ہی عظیم انسان ہیں،ان پر دنیائے فانی کے حملے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

☆☆☆

محمد بن ادریس کو مدینے میں رہتے ہوئے تین دن ہوچکے تھے۔اب اسے رہ رہ کر وطن کی یاد اور بوڑھی ماں کی یاد ستارہی تھی۔اسے گھر سے نکلے آٹھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔اس کی تمنا تھی کہ ماں سے زندگی میں ملاقات ہوجائے اور وہ اپنی کمزور آنکھوں سے یہ دیکھ لے کہ آرزوؤں کا جو شجر طیب اس نے لگایا تھا اور جس کی شادابی کے لیے اس نے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور دامن پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگی تھیں،آج وہی پودا خدا کے فضل اور اس کی مقبول دعاؤں کی برکت سے دین و دنیا کے برگ وبار سے لدا ہوا ہے۔یہ شوق اس قدر فراواں ہوا کہ اس نے امام مالکؒ سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی۔
امام مالکؒ نے نہ صرف اسے اپنی ماں کی خدمت میں پہنچنے کی اجازت دی بلکہ فوراً سفر کی تاکید فرمائی اور ایک آدمی پہلے سے مکہ کی طرف روانہ کردیا تاکہ وہ اس کی آمد کی اطلاع اس کے گھر پہنچادے۔
وہ مدینہ سے اس شان کے ساتھ روانہ ہوا کہ اس کے آگے پیچھے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر غلوں کپڑوں اور درہم و دینار سے لدے ہوئے تھے۔سفر تو وہ برسوں سے کررہا تھا لیکن آج کا سفر بہت طویل محسوس ہورہا تھا۔کبھی اسے بوڑھی ماں کی مامتا بھری آواز کا خیال آتا تو کبھی مکے کی گلیوں میں گزرے ہوئے بچپن کے دن اور کبھی اپنے ساتھی یاد آتے۔انھی یادوں میں مگن وہ مکہ کے قریب ہورہا تھا۔

امام شافعی کی درویش ماں

فاطمہ بنت عبداللہ کا جھریوں بھرا چہرہ آج خوشی سے تمتما رہا تھا۔اس کی تمناؤں کا مرکز اس کا چاند علم کی تابانیوں کے ساتھ آج اس کے آنگن میں اترنے والا تھا۔وہ اپنی بہنوں اور ان کے بچوں کے ہمراہ بڑی بے تابی سے اپنے بیٹے کا انتظار کررہی تھی۔وہ بیٹا جس کی تعلیم و تربیت کی اسے ہر گھڑی فکر تھی۔جس کے آفتاب علم بننے کی وہ ہر ساعت دعائیں مانگتی رہتی تھی۔ان سالوں میں وہ کتنا بڑا ہوگیا ہوگا۔پھر اس نے دیکھا کہ گھوڑوں اونٹوں اور خچروں کا ایک قافلہ دھول اڑاتا ہوا حدود حرم میں داخل ہورہا ہے تو وہ اپنے ضعف و کمزوری کے باوجود بے تابانہ آغوش محبت وا کیے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

Scanned with CamScanner

قافلہ قریب آ کر ٹھہر گیا۔ ایک سجیلے گھوڑے پر سوار اس کا فرزند ماں کو دیکھ کر اتر پڑا اور دوڑتا ہوا ممتا کے بازوؤں میں سمٹ گیا۔ وہ دیر تک اس کی بلائیں لیتی رہی اور خوشی کے آنسو بہاتی رہی۔ پھر اس کی بوڑھی خالہ آگے بڑھی۔ اس نے اسے چمٹا لیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے والہانہ انداز میں یہ شعر گنگنانے لگی: (عربی شعر کا ترجمہ)

موت کی موجیں تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی ہیں

آج ہر دل ماممتا میں اپنی ماں بنا ہوا ہے تیری

سرزمین مکہ پر ان محبت بھرے بولوں نے اسے خوشی سے سرشار کر دیا۔ اب شہر کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد یہاں جمع ہو گئی تھی۔ وہ ہر آنے والے سے دیر تک ملتا رہا۔ قیمتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ اور خچر اس کے قریب کھڑے تھے۔ وہ دیر تک وہاں کھڑا کبھی اپنے ہمراہ لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتا اور کبھی اپنی بوڑھی والدہ کو۔ اب اس نے محسوس کیا کہ سب خوش ہیں مگر اس کی ماں کے چہرے پر نام کو بھی مسکراہٹ نہیں ہے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو اس نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

''چلیے اماں!''

'بیٹے کہاں چلیں'، بوڑھی ماں نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

''اماں گھر چلیے'، اس نے ماں کو اپنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے کہا۔

''بیٹے یاد ہے جب میں نے تجھے رخصت کیا تھا تو میرے پاس تمھیں دینے کے لیے صرف دو پرانی یمنی چادریں تھیں اور میں نے تیرے شوق کے پیش نظر وہی تیرے حوالے کر دیں اور اس طرح تجھے گھر سے روانہ کیا کہ تو میرا اکلوتا سہارا تھا اور اس آرزو کے ساتھ روانہ کیا کہ تو حدیث رسول کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے.....'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر اونٹوں گھوڑوں اور خچروں کی طرف اشارہ کر کے بولی:

''میں نے تجھے یہ مال اور دینار لانے کے لیے تو نہیں بھیجا تھا۔ بیٹے یہ غرور کی پونجی ہے۔ کیا تو یہ سب اس لیے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی بڑائی جتائے اور انھیں حقیر گردانے۔''

وہ بالکل ساکت و جامد کھڑا اماں کو تک رہا تھا۔ علم دین کی یہ عظمت' خدا پر توکل اور بھروسہ اور دولت دنیا سے بے نیازی کا یہ مختصر سا وعظ جو اس کی ماں نے دیا' کسی درسگاہ کے ہزاروں دروس پر بھاری تھا۔ اس کا دل عقیدت سے جھک گیا اور آنکھیں گرم گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور اسے یقین ہو گیا کہ اسے جو کچھ ملا ہے' ماں کی مقبول دعاؤں اور پاکیزہ آرزوؤں کی بدولت ملا ہے۔ اس نے محسوس

Scanned with CamScanner

کیا کہ برسوں پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود آج ریت کے اس ٹیلے کے نیچے بوڑھی ماں نے جو کچھ اسے سکھایا ہے، وہ اس سے پہلے اس نے کہیں نہ سیکھا تھا۔ اس نے فرط شوق ومحبت سے اپنی ماں کے کھردرے ہاتھ چوم لیے۔

''اماں فرمایئے! اب میں کیا کروں؟'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا۔

''بیٹے کرنا کیا ہے! اعلان کردے کہ بھوکے آئیں اور غلہ لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں، نادار آئیں اور دولت لے جائیں، پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں۔''

اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور شام تک وہ ساری دولت مکے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوگئی۔ اب اس کے پاس ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ وہ شہر میں داخل ہو رہے تھے کہ اتفاق سے راستہ میں سواری سے اس کا کوڑا گر گیا۔ ایک باندی پیٹھ پر مشک باندھے جا رہی تھی۔ اس نے لپک کر کوڑا اٹھایا اور نہایت ادب سے اس کے حوالے کیا۔ اس نے باندی کو انعام دینے کے لیے پانچ ہزار دینار نکالے تو ماں نے دیکھ کر کہا:

''بیٹے یہی پانچ ہزار ہیں تیرے پاس؟''

''نہیں اماں! اور بھی باقی بچے ہیں۔''

''تو بیٹا وہ کس لیے رکھے ہیں''؟

''اماں وقت بے وقت کام دیں گے اور غلہ بھی تو نہیں بچا ہے، شاید آج ہی ضرورت پڑ جائے۔''

''ارے بیٹا! تعجب ہے ان تیس چالیس دیناروں پر تو اتنا بھروسہ اور یہ سب کچھ دینے والے پر ذرا بھروسہ نہیں۔ نکال سارے دینار اور اس باندی کے حوالے کر!'' اس کی ماں نے اسے حکم دیا۔

اس نے ایک سعادت مند بچے کی طرح سارے دینار اس باندی کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ اب اس کا ہاتھ بالکل خالی تھا لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غنی نہ تھا۔ ماں نے یہ دیکھ کر ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور بڑے محبت آمیز لہجے میں کہا:

''بیٹے اب تو اس حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہوگا جس حال میں وہاں سے نکلا تھا۔ لیکن میرے جھونپڑے میں آج وہ روشنی ہوگی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ علم وعرفان کی روشنی، ایمان ویقین کی روشنی، اللہ کی تائید اور توکل کی لازوال روشنی۔'' وہ ایسے بول رہی تھی جیسے جنت کی آبشاروں اور جھرنوں کی گنگناہٹ کی صدا ہو۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا جیسے وہ یقین کرنا چاہتی

ہو کہ وہ اس کے ساتھ ہے یا کہیں اور۔ پھر کہنے لگی:

''بیٹے خدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ نور دنیا کی فانی راحتوں سے میلا ہو اور اس نور میں کمی آئے۔ بیٹے تجھے یاد ہے کہ میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دعا دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کر چمکائے۔ بیٹے میں نہیں چاہتی کہ دنیاوی مال و دولت کی بدلیوں میں اس سورج کی روشنی پھیکی پڑ جائے۔ دنیا میں بھی اللہ تیرے علم کی روشنی سے امت کو راہ ہدایت دکھائے اور آخرت میں بھی یہ روشنی مومنوں کے کام آئے۔ آمین!''

اس واقعہ سے محمد بن ادریس شافعی کے علم و زہد اور ان کی والدہ کے فقر و غنا کی دھوم دور تک پھیل گئی۔ امام مالکؒ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرزند حجاز کو مبارکباد دی اور یہ پیغام بھیجا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے علم کو پھیلائے اور جتنا کچھ انھوں نے اسے مدینہ سے روانگی کے وقت دیا تھا وہ اتنا ہر سال بھیجتے رہیں گے۔

قرب وجوار کے تشنگان علم نوجوان شافعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، حجاز و عراق سے حدیث و فقہ کے شائقین کی سواریوں کا رخ مکہ کی طرف ہونے لگا۔ اب فرزند قریش کے روز و شب کے معمولات کچھ اس طرح تھے کہ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب کے بعد تک شاگردوں کو درس فقہ دیتے۔ اس کے بعد تعلیم حدیث کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ناشتے کے وقفے کے بعد مجلس وعظ کا اہتمام ہوتا۔ جس میں اہل علم کے علاوہ عوام الناس کی کثیر تعداد اپنے قلوب و اذہان میں یاد الٰہی کو تازہ کرنے حاضر ہوتی۔ فرزند قریش دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ہولناکی کا ذکر اس انداز سے کرتے کہ سنگدل انسانوں کی بھی آنکھیں بھیگ جاتیں اور عیش و لذت کے حریص اہل دنیا کو بھی دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے نفرت ہو جاتی۔ اس کا حسن بیان گم کردہ راہ لوگوں کے ذہنوں کو بھی زیر و زبر کر کے رکھ دیتا۔ مجلس وعظ کے اختتام پر دیگر علمی تذکرے ہوتے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہو جاتا۔ پھر وہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو جاتا۔ اس کی نماز بھی عجیب نماز تھی کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ خالق کائنات کے سامنے ہاتھ باندھنے کے بعد وہ کسی اور ہی دنیا میں چلا گیا ہے۔ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے ابراہیم بن محمد کہا کرتے تھے: ''میں نے شافعی سے بہتر نماز کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ شافعی کی نماز مسلم بن خالد کی نماز سے مشابہ تھی اور خالد کی نماز مسلم بن جریج کی نماز سے مماثل تھی۔ مسلم بن جریج کی نماز عطاء کی نماز سے، عطاء کی نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی

نماز سے اور صدیق اکبر کی نماز رسالت مآب ﷺ کی نماز سے مشابہہ تھی۔"

ظہر کی نماز کے بعد مختصر وقت کے لیے شعروادب پر بحث ہوتی اور پھر وہ عصر تک آرام کرنے گھر چلا جاتا۔ عصر سے مغرب تک کا وقت صرف عبادت وذکر الٰہی کے لیے مخصوص تھا۔ اوقات شب کی تقسیم اس طرح تھی کہ ایک تہائی حصے میں وہ اپنا تحریری کام سرانجام دیتا۔ دوسرے حصے میں اتنا آرام کرتا کہ جس سے انسانی صحت برقرار رہ سکے۔ تیسرے حصے میں رب کے حضور گریہ وزاری کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ اکثر لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ حرم میں نماز کی امامت کرائے لیکن اس کے انکسار اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ کہہ کر ٹال جاتا کہ جب مجھ سے بہتر افراد امامت کے لیے موجود ہیں تو میری کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ حجاز مقدس میں اس کار عظیم کے لیے علم وعمل میں اس سے بہتر شخص اور کون تھا۔

سرزمین حرم میں محمد بن ادریس شافعی کو علم حدیث وفقہ کی تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیتے ہوئے گیارہ سال بیت چکے تھے۔ امام مالکؒ اسے یکسوئی سے علم دین کی خدمت جاری رکھنے اور فکر معاش سے بے نیاز رکھنے کے لیے ہر سال اتنی رقم بھیج دیتے جو اس کی ذاتی ضرورت اور غریب ونادار تشنگان علوم کی خدمت کے لیے کافی ہو جاتی۔ اس طرح وہ آسودہ حالی کے ساتھ علمی وتحقیقی کام میں مصروف رہا۔

امام مالک کا وصال:

امام مالکؒ ۸۳ سال سے زائد عمر کے ہو چکے تھے۔ پیرانہ سالی کے باعث اب وہ نماز جمعہ اور جماعت کے لیے بھی مسجد نہیں جاتے تھے۔ اب وہ تقریباً گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ درحقیقت انھیں سلسل البول کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اس حالت میں مسجد نبوی میں جانا اس لیے انھیں مناسب نہ لگتا تھا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم میں فرق آئے گا اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اپنی بیماری کا لوگوں کے سامنے تذکرہ کر کے اللہ سے شکوہ کریں۔

بالآخر ۱۷۹ھ میں وہ شدید بیمار ہو گئے اور بائیس دن تک صاحب فراش رہے۔ ۱۴ ربیع الاول کے دن اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا۔ ان کے صاحبزادے یحییٰ اور کاتب حبیب پانی ڈالتے تھے۔ وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا اور والی مدینہ عبدالعزیز بن محمد ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

امام مالکؒ کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک عظیم حادثہ تھی علماء نے تعزیتی کلمات کہے۔ شعراء نے مرثیے

کہے اور جہاں جہاں خبر پہنچی رنج و غم کی فضا پیدا ہوگئی۔ بغداد میں امام محمد کے حلقہ درس میں جب یہ خبر پہنچی تو امام محمد نے کہا کہ کتنی بڑی مصیبت آ پڑی، حدیث کے امیر المومنین مالکؒ بن انس وفات پا گئے۔

یہ ۱۷۹ھ کی ایک شام تھی جب فرزند قریش کو مدینہ کے آنیوالے ایک قافلہ کی مکہ میں آمد کی اطلاع ہوئی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ دیار محبوب سے کوئی گزر کر آئے اور وہ اس کی خوشبو سے معطر ہونے کے لیے اس تک رسائی نہ کرے۔ وہ تو مدینے کی طرف سے آنیوالی ہواؤں کا بھی منتظر رہتا تھا۔ مدینے سے آنیوالے قافلوں کی آمد تو اسے بے چین کر دیتی تھی۔ یہی اضطراب کشاں کشاں اسے قافلہ سالار تک لے گیا۔ قافلہ سالار سے اس نے اہل مدینہ کے حالات پوچھے تو اس نے افسردہ لہجے میں کہا:

''حضرت مدینہ کی شمع علم گل ہوگئی۔''

''کیا مطلب ہے تمھارا؟'' محمد بن ادریس کو جیسے دھچکا سا لگا ہو اور وہ بات سمجھ گئے ہوں لیکن امید کے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے اس نے قافلہ سالار کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''حضرت مسجد نبوی کی مسند علم کے تاجدار امام مالکؒ اس دنیا سے رخصت ہوگئے''۔ قافلہ سالار نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا اور پھر اس پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اب صرف شدت غم سے اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ''خدا کی قسم! انسانی آنکھ نے مالکؒ بن انس جیسا کوئی دوسرا صاحب علم نہیں دیکھا۔'' فرزند قریش کی آواز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

''حضرت آپ نے درست فرمایا''۔ قافلہ سالار گردن جھکائے کہنے لگا۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عنقریب لوگ طلب علم میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انھیں مدینے کے عالم سے بہتر کوئی نہ ملے گا۔ اور یہ عالم امام مالکؒ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟''

''خدا کی قسم حشر تک شائقین کے بے شمار قافلے مدینے کی طرف آئیں گے اور دیار رسول اللہ ﷺ کی خاک کو بوسہ دے کر واپس چلے جائیں گے مگر ان میں مالک بن انسؒ کی طرح اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔'' یہ کہتے کہتے فرزند قریش کی آواز ڈوبنے لگی اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

متاع دین و دانش اور پیکر علم و عرفان کی رخصتی کا صدمہ ایسا نہ تھا جسے آسانی سے بھلایا جا سکتا۔ جذبات کا سیلاب اتنا شدید تھا کہ وہ بہت دن تک اس کے حصار سے باہر نہ نکل سکا۔ مدینے کی ہوائیں

آتیں اور اسے رلا کر گزر جاتیں۔اس کی نظروں کے سامنے امام مدینہ کے ساتھ گزرا ہوا ایک لمحہ مجسم ہوتا رہا۔یادیں نورانی پیکر میں ڈھلتی رہیں۔اس کی اشکبار آنکھوں کے سامنے بار بار وہ منظر آتا تھا جب امام مالکؒ باب النبی ﷺ سے نمودار ہوتے تھے اور پوری مسجد ایک مخصوص خوشبو سے مہک اٹھتی تھی۔

''خدا کی قسم اب کوئی اس انداز سے مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوگا۔''اس کے ہونٹوں سے سرد آہ نکلتی۔اور پھر آنسوؤں سے بھیگی ہوئی دھندلی آنکھوں کے سامنے دوسرا منظر ابھرتا۔امام مدینہ مسند درس پر جلوہ افروز ہیں اور بڑے والہانہ انداز میں حدیث رسول بیان فرمارہے ہیں:''مجھ سے نافع نے ابن عمر کے حوالے سے صاحب قبر کی یہ روایت بیان کی ہے۔'' یہ کہہ کر امام مالکؒ اپنا دایاں ہاتھ پھیلا دیتے اور ایک جاں نثار کی طرح رسالت مآب ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے۔

''خدا کی قسم آج کے بعد زمین و آسمان امام مالکؒ جیسا کوئی دوسرا حدیث بیان کرنے والا نہیں دیکھیں گے۔''فرزند قریش کی آواز شدت غم سے لرز رہی ہوتی تھی۔

پھر ایک اور جاں گداز منظر ذہن کے افق پر ابھرتا۔امام مدینہ نادر و نایاب خراسانی گھوڑے اس کی نذر کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں: فرزند!''مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری سے اس زمین کو پامال کروں جس کے نیچے میرے آقا ﷺ محو خواب ہیں۔''

''واللہ مدینۃ النبی ﷺ کا اس سے بڑھ کر احترام کرنے والا کوئی اور نہ ہوگا۔''اس کی زبان سے بے اختیار نکلتا اور دل سے ایک ہوک سی اٹھتی۔فرزند قریش کا کئی دن تک یہی حال رہا۔اشک بہتے رہے اور دامن بھیگتا رہا۔کوئی غمگسار دلاسہ دیتا تو وہ کہتا:

''اگر زمین پر بسنے والے یہ اندازہ کرلیں کہ وہ کس عظیم نقصان سے دوچار ہوئے ہیں تو پھر ان کے چہروں کی رنگت بدل جائے، آنکھیں اشک ریزی کرتے کرتے خراب ہو جائیں۔''فرزند قریش کے حاسدین اس کی یہ حالت دیکھ کر اذیت ناک باتیں کرنے لگے: کچھ کہتے،

''محمد بن ادریس اس لیے روتا ہے کہ اس کی معاشی کفالت کرنے والا دنیا سے چلا گیا۔اہل دنیا کی نظر میں مادی فوائد ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔علم و فضل کی بنیاد پر بننے والے رشتوں کی انھیں کیا پہچان۔ کسی اور طرف سے لقمہ دیا جاتا:

''اب اسے ہر سال اتنے قیمتی تحفے کون بھیجے گا۔شافعی تو ماضی کی ان آسائشوں کا ماتم کررہا ہے۔اب وہ گلچھرے کیسے اڑائے گا۔''

کسی اور نے یہ نکتہ اٹھایا۔''اب اس کے گھر کی دیواروں پر غربت وافلاس دوبارہ ڈیرے ڈال لے گی اسی ہولناکی کے تصور سے ڈر کر رو رہا ہے۔''

زہر میں بجھے ہوئے یہ لفظی تیر اس کے سینے کو الگ چھلنی کر رہے تھے۔لیکن وہ خاموش رہا۔اس نے بچپن سے ہی اپنی قوت برداشت کی پرورش کی تھی۔نکتہ چیں لوگوں کا جو نشتر بھی اس کے جسم کی طرف آیا'ٹوٹ گیا۔بدخواہوں کے جس تیر نے بھی علم وتقوی کی اس چٹان کا رخ کیا' پھسل کر کسی اور سمت چلا گیا۔کم نظر اہل ہوس دنیاوی سود وزیاں کا حساب کر رہے تھے'انھیں دل کی تباہی کا اندازہ ہی نہیں تھا۔پھر اس سوگوار فضا میں کئی دن گزر گئے۔تمام علمی مشاغل چھوٹ گئے۔وہ بار بار مدینہ منورہ کی جانب رخ کر کے مسلسل کسی غیر مرئی شے کو دیکھتا رہتا۔اس کا یہ انہماک دیکھ کر کسی ہمدرد نے پوچھا۔

''امام کس کا انتظار ہے؟''

ہوائے مدینہ کا جو دیار رسول ﷺ کو چھو کر مجھ تک پہنچتی ہے۔''اس نے نہایت آزردہ لہجے میں کہا۔

''کیا وہ ہوائیں اب تک نہیں آئیں؟'' یہ کہتے کہتے غمگسار کا لہجہ بھی اداس ہو گیا۔

''آتی تو ہیں!مگر ان میں میرے استاد گرامی کے پیرہن کی خوشبو شامل نہیں ہوتی۔''فرزند قریش نے اس طرح درد دل بیان کیا کہ سننے والوں کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

''پھر کب تک انتظار کرو گے۔امام مالکؒ کا جسم تو خاک میں مل چکا اب پیرہن کی خوشبو کہاں سے آئے گی؟''

''وہ خوشبو ہواؤں کی پابند نہیں۔''شکستگی کے باوجود اس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ ابھر آیا تھا۔''وہ خوشبو تو قبر میں بھی میرے ساتھ جائے گی۔میں تو ہواؤں کی سرگوشیاں سنتا ہوں۔ ہوائیں مجھے امام مالکؒ کا پیغام سنایا کرتی تھیں۔میری ماں کے بعد وہ امام مدینہ ہی تھے جو مجھے فرزند کہہ کر پکارا کرتے تھے۔سب کچھ وہی ہے بس ایک وہ شخص نہیں ہے جو مجھے فرزند کہہ کر اس طرح آواز دیتے تھے کہ اس لفظ کا حق ادا ہو جائے۔خدا امام مدینہ کی قبر کو نور سے بھر دے کہ ان کے بعد دنیا میں بڑا اندھیرا ہے''۔

فرزند قریش کے حاسدین نے پھر طعنہ زنی شروع کی:''شافعی اس لیے روتا ہے کہ اس کی مالی پناہ گاہ تباہ ہوگئی۔''

اب کی بار وہ خاموش نہ رہ سکا۔''ہاں!میں اس بطل عظیم کے لیے روتا ہوں جس کی نظروں میں شاہان وقت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔جس نے گیارہ سال تک مجھ پر اتنی دولت لٹائی کہ اہل دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔بیشک وہ عالم اسباب میں میرے کفیل تھے لیکن کسی نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے درہم

ودنیار کے وہ ذخائر کہاں خرچ کیے۔ اگر میں اس کے الطاف وکرم یاد کر کے آنسو نہ بہاؤں تو یہ کیسی احسان ناشناسی ہوگی۔ اہل غرض نے میرے مادی وسائل کے زیاں پر تو نظر کی لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ دنیا سے کون گزر گیا؟ لوگو! تم نے میرے بارے میں جو غلط اندازہ لگایا' اس پر تو مجھے کوئی افسوس نہیں لیکن تم نے امام مالکؒ کے بارے میں بھی ایسی سطحی رائے قائم کی کہ شاید لوگ ان کے مال کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتے تھے۔ آج کتنے ہی علم وعمل کے شیدائی ہیں جن کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے حالانکہ ان تک امام مالکؒ کا کوئی درہم ودینار نہیں پہنچا۔ آج ساری دنیا تہی دست ہوگئی۔ دماغوں کو متاثر کرنے والے بہت آئیں گے مگر وہ تو دلوں کا تاجدار تھا' جذبوں کا حکمران تھا' روحوں پر اس کی حکومت تھی' تمہیں نہیں معلوم کہ آج علم حجازی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ خاک مدینہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانیوالا کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔ میں اسی کی یاد میں آنسو بہاتا ہوں۔"

امام مالک کا انتقال ہوا تو اسے محسوس ہوا کہ اگرچہ علم کی پونجی تو اس کے پاس وافر ہے لیکن معاش حیات کے وسائل سے اس کا دامن خالی ہے۔ اب اس کے لیے تعلیمی وتدریسی مشاغل جاری رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے کسی وسیلہ روزگار کو اختیار کرنا ضروری تھا۔

اسی زمانہ میں عباسی خلیفہ کا مقرر کردہ والی یمن مکہ میں حج کے موقع پر آیا تو بعض عمائدین قریش نے محمد بن ادریس سے متعلق سفارش کی کہ یہ نوجوان بڑا عالم وفاضل اور ماہر وقابل ہے اس لیے کوئی سرکاری خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ اس نے اس کی قابلیت کے پیش نظر یمن کے ایک علاقہ نجران کا اسے ضلعی عامل مقرر کر دیا۔

اس نے گھر آکر ماں کو یہ خبر سنائی تو ماں نے آزردہ لہجے میں کہا:

"ہاں بیٹا مجھے اس کی اطلاع ہوگئی ہے"۔

"اماں کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو۔ بیٹوں کے روزگار کا انتظام ہو تو مائیں تو بہت خوش ہوتی ہیں لیکن آپ تو......" اس نے ماں کی آزردگی کا سبب جاننا چاہا اور اپنی بات نامکمل ہی چھوڑ دی۔

"بیٹے میرے لیے پریشانی یہ ہے کہ میں نے تمھیں علم حدیث کی خدمت کے لیے پڑھایا تھا لیکن اس سرکاری خدمت کے باعث تو تمھارے لیے یہ راستہ بند ہو جائے گا۔"

"تو پھر ماں اگر آپ خوش نہیں ہیں تو میں کسی ملازمت کو اختیار نہیں کرتا"۔ اس نے ماں کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹے! یہ ہماری مجبوری ہے۔غربت و مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے اور میں تمھارے ایمان کو زیادہ آزمائش میں ڈالنا نہیں چاہتی۔تم ضرور جاؤ گے۔اللہ تمھارے لیے بہتر اسباب پیدا کرے گا۔''بوڑھی ماں نے عزم سے بھرپور لہجے میں کہا۔لیکن پریشانی اور غم کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں۔

''لیکن ماں آپ کے چہرے پر اداسی کی یہ پرچھائیاں کیسی؟''اس نے ماں کے چہرے سے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا جب میں نے تجھے علم حدیث کی تحصیل کے لیے بھیجا تھا تو اس وقت بھی میرے پاس تجھے دینے کے لیے کچھ نہ تھا اور آج بھی میں تمھارے لیے سامان سفر کے اہتمام کرنے کے قابل نہیں''۔یہ کہتے ہوئے دو آب دار قطرے اس کی آنکھوں سے چہرے پر ڈھلک آئے تھے۔

''اماں جس رب نے اس وقت دستگیری تھی وہ حی و قیوم اب بھی کرے گا۔اس میں فکرمندی والی تو کوئی بات نہیں ہے''۔

''نہیں بیٹا تیری اس حیثیت میں اور آج کی حیثیت میں فرق ہے۔مجھے یہ گوارا نہیں کہ تو سرکاری افسر بن کر جائے اور تو خالی ہاتھ ہو جبکہ عوام کو تنگ کرنے کے تیرے پاس وسیع اختیارات ہوں۔اس طرح تو اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں تنگ ہو کر ان سے ناجائز رقمیں بٹورنے لگے گا۔یہ بات میرے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔''ماں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''اماں! آپ کا بیٹا آپ کو دنیا و آخرت میں رسوا نہیں کرے گا''۔

''بیٹے میں نے اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے''ماں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔''وہ کیا؟''

''میں تمھیں نجران کے لوگوں کے سامنے ایک مفلس وقلاش شخص کی حیثیت سے نہیں بھیجوں گی۔میں نے مکان کو رہن رکھنے کی بات کر لی ہے۔اس سے تمھارے اور میرے اخراجات کا اہتمام ہو جائے گا۔تمھاری تنخواہ سے ممکن ہوا تو مکان واگزار ہو جائے گا۔ماں نے مکان کے درودیوار پر حسرت واندوہ سے نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

''لیکن ماں......''

''بس یہ میرا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے''ماں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

(جاری ہے)

وقت محنت می بری زاللہ بو چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

بیع حقوق کا مسئلہ

تحقیق

اختر امام عادل

الحمدﷲ و کفٰی والصلوٰۃ والسلام علی محمد ن المصطفٰی!

عہد جدید نے ایسے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا تصور بھی پچھلے زمانوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پچھلے زمانے میں جس چیز کے اندر کسی مالیت کا تخیل تک نہ تھا۔ آج وہ بہترین سرمایۂ حیات بن چکی ہے۔ پہلے ذخیرہ اندوزی کا بھی ایک خاص طریقہ تھا اور جب ادخار اور ذخیرہ اندوزی کی بات کی جاتی تھی تو ایک خاص قسم کا طریقہ کار ذہن میں رقص کرنے لگتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ادخار کے ایسے نئے طریقے پیدا ہو گئے ہیں کہ ایک وہ چیز جس کی حفاظت گزشتہ دنوں ایک دن بھی مشکل تھی۔ آج برسوں اس کو اپنی اصلی حالت میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ لطیف چیزیں جن کا ضبط و ادخار کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا آج وہ بآسانی محفوظ کی جا رہی ہیں۔

اس وقت ضرورت ہے کہ مفتیانِ کرام اور علماء اسلام عہد جدید کے تقاضوں پر نگاہ ڈالیں، حالات سے واقفیت اور وقت کی نزاکت کا احساس اس دور کے ہر مسلم محقق کا فرض ہے۔ جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں نئے نئے شوشے پیدا ہو گئے ہیں، وہیں زندگی کے اہم باب یعنی معاملات کے اندر بھی ایسے جدید تقاضوں کی بنیاد پڑ گئی ہے کہ تمام ضرورتوں کو بالائے طاق رکھ کر ان تقاضوں پر نگاہ ڈالنا، اور ان کے حل کی تشکیل کرنا علماء اور دانشوروں پر فرض ہو گیا ہے۔ خرید و فروخت کا مفہوم پہلے محدود دائرہ اور محدود اشیاء میں جاری تھا۔ آج خرید و فروخت کے مفہوم میں جو عموم پیدا ہو گیا اُس کا پچھلے دور سے کوئی تقابل ہی نہیں، اس عموم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بیع کی اصطلاح تبدیل ہو گئی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعات اور قابل خرید و فروخت اشیاء کی بہتات ہو گئی ہے، پہلے جن اشیاء کے اندر

عاشقاں راشد مدرس حسن دوست دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست

ثمنیت اور مالیت کا احساس تک نہیں تھا، آج وہ ثمنیت اور مالیت سے بھرپور نظر آتی ہیں، پھر آخر یہ کیونکر مناسب ہوگا کہ عرف جدید پر عرف قدیم کا حکم لگایا جائے، اور دونوں الگ الگ تقاضوں کو ایک ہی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے خاص طور پر اس وقت جبکہ بیع کی اصطلاحی تعریف میں ائمہ کرام اور علماء متقدمین کے درمیان اختلاف ہو، مناسب ہے کہ بیع کی حقیقت ائمہ کے اختلافات کی روشنی میں سمجھ لی جائے، ائمہ کرام کے تمام اختلافات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیع مبادلۃ المال بالمال کا نام ہے، اور مال کا مطلب عین ہے، تو گویا بیع کی تعریف مبادلۃ الاعیان بالاعیان ٹھہری، منافع کی بیع اس نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہوگی۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیع کے مفہوم میں عموم ہے، اور منافع واعیان ہر ایک کی بیع جائز ہے۔

پہلا نقطۂ نظر احناف کی طرف منسوب ہے، اور دوسرا ائمہ ثلاثہ کی طرف، چاروں ائمہ کی کتابوں سے ان کے اپنے نقطۂ نظر کا ثبوت صراحتاً یا اشارۃً ہوتا ہے۔ چاروں اماموں کی کتب فقہ کے حوالجات مقالہ کو طویل کردیں گے، جس کا نہ ابھی موقع ہے اور نہ ضرورت، ثبوت کے لئے صرف ایک ایک دو دو حوالہ ہم پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جو غالب نقطۂ نظر ائمہ ثلاثہ کا ہے، اس کے چند حوالے ہم پیش کرتے ہیں:

شافعیہ:

شوافع کے نزدیک جس طرح اعیان اور مادی اشیاء کی بیع ہوسکتی ہے اسی طرح منافع کی بھی بیع ہوسکتی ہے بشرطیکہ تابید کے طور پر منافع کا مشتری حقدار ہوجائے، اس نسبت کے استناد کے لئے ابن حجر ہیثمی اور ابن القاسم الغزی کے حوالے کافی ہیں۔ ابن حجر ہیثمی بیع کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"عقد یتضمن مقابلۃ مال بمال بشرطہ الاتی لاستفادۃ ملک عین او منفعۃ مؤبدۃ"

علامہ شروانی اس کے حاشیے میں مؤبدہ کی تشریح کرتے ہوئے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

"قولہ "مؤبدۃ" کحق المقر اذا عقد بلفظ البیع۔"

(حواشی الشروانی علی تحفۃ المحتاج، ص ۴/ ۲۱۵ وکذالک نہایۃ المحتاج، ص ۳/۳۶۱)

علامہ ابن قاسم غزی اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔

"فاحسن ما قيل في تعريفه ان تمليك عين مالية بمعاوضة باذن شرعي او تمليك منفعة مباحة على التابيد بثمن مالي... و دخل في منفعة تمليك حق البناء۔" (حاشیہ الباجوری علی شرح الغزی، ص ۱/۳۴۰)۔

حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک بھی بیع کی تعریف میں عین مالیۃ کے ساتھ منفعت مباحۃ دونوں داخل ہیں جیسا کہ علامہ بہوتی کا بیان ہے۔

"مبادلة عين مالية... او منفعة مباحة مطلقاً بان لا تختص اباحتها بحال دون آخر كممر دار او منفعة تحفر بئراً باحدهما اى عين مالية او منفعة مباحةٍ مطلقاً... فيشمل نحو بيع كتاب بكتاب او بممر دار او بيع نحو ممر في دار بكتاب او ممر في دار اخرى۔" (شرح منتہی الارادات، ص ۲/۱۴۰ و کشاف القناع، ص ۳/۱۳۵)

مالکیہ:

مالکیہ کے نزدیک مشہور تعریف کی رو سے منافع بیع کے مفہوم میں داخل نہیں ہوتے، بیع کی ان کے نزدیک مشہور تعریف یہ ہے۔

"عقد معاوضة على غير منافع، و لا متعة لذة" (المغنی لابن قدامہ، ص ۳/۳۵)

اس تعریف کی رو سے اجارہ اور کرایہ کے معاملات اور نکاح کے امور خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر منفعت اور لذت اندوزی کے معاوضے میں مال دیا جاتا ہے، لیکن مالکیہ کے یہاں بھی بعض روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی بعض حقوق و منافع کی بیع درست ہے، مثلاً مالکیہ کے نزدیک حق تعلّی، اور دیوار پر لکڑی گاڑنے کے حق کی بیع درست ہے۔ علامہ دردیر کا قول ان کی شرح کبیر میں موجود ہے۔

"وجاز بيع (هواء) بالمدّ اى فضاء (فوق هواء) بان يقول لصاحب ارضٍ يعني شرة اذرع مثلاً فوق ما تبنيه بارضك۔ (ان وصف النباء الاسفل والاعلى لفظاً او عادتاً للخروج من الجهالة والغرور ويملك الاعلى جميع الهواء الذى فوق بناء الاسفل ولكن ليس له ان يبني ما دخل عليه الا برضا الاسفل) (الدسوقی علی الشرح الکبیر، ص ۳/۱۴)

بعینہ یہی مسئلہ امام مالک کی مدونۃ الکبریٰ، ص ۱۰/ ۵۶ میں بھی موجود ہے، اس طرح کی جزئیات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بیع کی مشہور تعریف میں اگرچہ غیر منفعت کی قید لگائی گئی ہے، لیکن یہ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک بھی کسی نہ کسی شکل میں منافع وحقوق کی بیع کی گنجائش ہے۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک مشہور تعریف بیع کی، ''مبادلۃ المال بالمال'' (البحر الرائق، ص ۵/ ۲۵۶، فتح القدیر، ص ۵/ ۷۳، مجمع النھر، ص ۲/ ۳، وغیرہ من الکتاب الفقہ) وغیرہ الفاظ سے کی گئی ہے۔ مال کا مفہوم تو قریب قریب تمام ائمہ کرام کی تعریفوں میں ملتا ہے لیکن مال کا وہ مفہوم جو منافع کے مقابلے میں مراد ہوتا ہے، کیا وہی مفہوم مالیت یہاں مراد ہے؟ یا کچھ اور؟ اس کی تعیین کے لئے ہمیں مال کی تعریف میں فقہاء احناف کی کتابوں میں جو عبارتیں ملتی ہیں، ان عبارتوں کا جائزہ لینا پڑے گا اور دیکھنا پڑے گا کہ مال کا مفہوم ان کے نزدیک عام ہے، یا عین مالیت مراد ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے یہاں مختلف قسم کی عبارات ملتی ہیں، علامہ ابن عابدین شامی مال کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ والمالیۃ تثبت بتمول الناس کافۃ وبعضھم والتقوم یثبت بھا وباباحۃ الانتفاع بہ شرعاً۔ (رد المحتار، ص ۴/ ۳)

اس تعریف کے اعتبار سے مال کے صرف دوعناصر کا ثبوت ہوتا ہے، ایک میلانِ طبع اور رغبت نفس، دوسرے قابل ادخار ہونا، البتہ مالیت کی علامت یہ ہے کہ لوگ جس چیز سے مالدار اور خوشحال ہو جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس شئے کے اندر مالیت ہے۔ اس تعریف کے بعد علامہ شامی حاوی قدسی کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

''المال اسم لغیر الآدمی خلق لمصالح الآدمی و امکن احرازہ و التصرف فیہ علی وجہ الاختیار۔'' (حوالۂ سابق والبحر الرائق، ص ۵/ ۲۵۷)

اس تعریف میں مال کے تین اجزاء کی خبر دی گئی ہے، ایک تو یہ کہ آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز جو انسان کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، اور ثانیاً اس کی حفاظت و ذخیرہ اندوزی ممکن ہو، ثالثاً اس میں تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہو، تو یہ چیز مال کہلاتی ہے، ان دونوں تعریفوں میں کوئی تصریح

نہیں کہ مال اعیان کی حد تک محدود ہے، غیر اعیان پر مال کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ہاں علامہ علاء الدین حصکفی صاحب درمختار نے مال کی جو تعریف کی ہے، اس میں اعیان کی صراحت کی گئی ہے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

"والمراد بالمال عین یجری فیہ التنافس والابتذال" (الدار المنتقی بھامش جمع الانھر، ص ۲/ ۳)

اس وضاحت کے ساتھ کسی اور فقیہ نے مال کو اعیان میں محصور نہیں کیا ہے، تاہم یہ کہنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ مال سے مراد فقہاء احناف نے وہی اعیان لیا ہے، جو منافع کے مقابل بولا جاتا ہے، اس کا واضح تقاضا یہ ہے کہ منافع اور حقوق مجردہ مال کے عموم میں داخل نہ ہوں اسی لئے احناف کے نزدیک حق تعلی کی بیع درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے، صاحب ہدایہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

لان حق التعلی لیس بمال لان المال مایمکن احرازہ۔" (فتح القدیر، ص ۵/ ۲۰۴)

حق تسییل کے بارے میں بھی احناف نے بیع کے عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ ردالمحتار، ص ۴/ ۱۳۲ وشرح المجلہ للاتاسی، ص ۱/ ۱۱۷ میں بصراحت مذکور ہے۔

ان سب جزئیات سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مال کے اندر منافع وحقوق داخل نہیں ہیں لیکن احناف کی انہی مشہور زمانہ فقہی کتابوں میں بعض حقوق اور منافع کو مال کے ذیل میں شمار کیا ہے، اور بعض کو اعیان سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ شامی بدائع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ذکر فی البدائع وغیرہ لو تزوجھا الحر علی سکنی دارہ اور کوب دابتہ والحمل علیھا او علی ان تزرع ارضہ، ونحو ذلک من منافع الاعیان مدۃ معلومۃ صحت التسمیۃ..."

"لان ھذہ المنافع مال" او الحقت بہ للحاجۃ۔" (ردالمحتار، ص ۳/ ۳۳۳)

اس پوری عبارت میں خط کشیدہ عبارت قابل توجہ ہے کہ گھر کی سکونت، جانوروں کی سواری یا باربرداری یا اس سے کاشت کاری وغیرہ جو منافع کی قبیل کی چیزیں ہیں، ان کے بارے میں صراحت کے ساتھ فرمایا جارہا ہے کہ یہ منافع مال ہیں۔ ورنہ اس سے کم تو کہا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ منافع مال کے حکم میں ضرور ہیں، ایک دوسری عبارت اور ملاحظہ کیجئے۔ صاحب ہدایہ حق مرور کی بیع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اما حق المرور یتعلق بعین تبقی وھو الارض فاشبہ الاعیان۔" (ہدایہ، ص ۳/ ۴۰)

اس عبارت میں حق مرور کی بیع کو محض اس لئے جائز قرار دیا گیا کہ اعیان سے مشابہ ہے غرض احناف کے نزدیک مال کے مفہوم میں اگرچہ اولاً اعیان آتے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض منافع اور حقوق بھی ان کے ذیل میں آجاتے ہیں اس طرح مال کا اعیان کے ساتھ انحصار باقی نہ رہا، بلکہ اس کا عموم بحال ہوگیا، وہ عموم تو نہ آسکا جو دیگر ائمہ کرام نے پیدا کیا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ان کے قریب تو پہنچ ہی گیا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ مال کے مفہوم کے تحت ہر طرح کے منافع وحقوق نہیں تو کچھ نہ کچھ منافع وحقوق بالیقین آتے ہیں، اس لئے بیع کی اصطلاح ان کو بھی شامل ہوگی۔ اور احناف کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ماننے سے چارہ کار نہیں ہے کہ بعض حقوق اور منافع کی بیع درست ہے۔ البتہ ہمیں اس کی تعیین کرنی ہوگی وہ کون سے حقوق اور منافع ہیں جن کی بیع درست ہے اور کن حقوق ومنافع کی بیع درست نہیں ہے۔

حقوق کا مسئلہ:

اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے حقوق کی قسموں پر غور کرنا پڑے گا۔ بنیادی طور پر حقوق کی دو قسمیں بنتی ہیں۔ (۱) حقوق شرعیہ (۲) حقوق عرفیہ۔

۱۔ حقوق شرعیہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثبوت شارع کی جانب سے ہوا ہو، ان میں قیاس کا کوئی دخل نہ ہو۔

۲۔ حقوق عرفیہ سے مراد یہ ہے کہ جن کے ثبوت کی بنیاد عرف پر ہو، کہ عرف میں کوئی حق چل رہا تھا اور شریعت مطہرہ نے اس کو روکنے کے بجائے اس کو باقی رکھا، یہ حق عرفی ہے۔

پھر ان دونوں طرح کے حقوق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کچھ تو وہ حقوق ہوتے ہیں جو دفع ضرر کے لئے مشروع کئے جاتے ہیں۔

۲۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو دفع ضرر کے لئے مشروع نہیں ہوتے بلکہ مقصود بالذات ہوکر مشروع ہوتے ہیں جن حقوق کا ثبوت اصالۃً اور مقصود ہوتا ہے پھر ان کی چند قسمیں ہیں۔

۱۔ حقوق کی ایک قسم تو یہ ہے کہ اشیاء کی ذات سے ایسے منافع وابستہ ہوں جو ہمیشہ کے لئے ان سے متعلق ہوں، یعنی جب تک وہ شئی پائی جائے گی اس کی منفعت بحال رہے گی مثال کے طور پر حق مرور، حق شرب، حق تسییل وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم کا نام ہم حق اسبقیت اور اختصاص رکھ سکتے ہیں کہ کوئی ایسی شی ہے کہ جو کوئی پہلے اس پر قبضہ کر لے گا اس پر اسے حق تصرف حاصل ہو جائے گا، مثلاً جنگل کی گھاس، چشمہ کا پانی، ٹرین کی عام کمپارٹمنٹ کی سیٹیں۔

۳۔ حقوق کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان کو اس میں کسی کے ساتھ نئے معاملے کرنے یا اس کو برقرار رکھنے کا حق حاصل رہتا ہے مثلاً زمین، گھر یا دکان وغیرہ کرایہ پر لگانا اس سے کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسے اپنے لئے رکھے یا کسی دوسرے کے ساتھ اس کا معاملہ کرے یہ تو حقوق کی قسمیں ہیں۔

حقوق کے معاوضہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ بیع کے طور پر اس کا معاوضہ کیا جائے یعنی جس طرح بیع کے اندر مبیع بالبع سے مشتری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ حق بھی منتقل ہو جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صلح اور دستبرداری کے طور پر ہو، یعنی معاوضہ کے بعد دستبردار شخص کا حق ساقط ہو جائے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ جس شخص کے لئے اس نے معاوضہ پر مصالحت کی ہے اس شخص کی طرف وہ حق منتقل ہو کر چلا جائے۔

امام قرافی نے دونوں صورتوں کے درمیان یہی فرق بیان کیا ہے۔

"اعلم ان لحوق والاملاک ینقسم التصرف فیھا الی نقل و اسقاط فالنقل ینقسم الی ما ھو بعوض فی الاعیان کالبیع والقرض... والی ما ھو بغیر عوض کالھدایا والوصایا... فان ذالک کلہ' نقل ملک فی اعیان بغیر عوض۔"

"و اما الاسقاط فھو اما بعوضٍ کالخلع والعفو علی مال... فجمیع ھذہ الصور یسقط فیھا الثابت وال ینتقل الی الباذل ما کان یملکہ۔"

"المبذول لہ من العصمة وبیع العبد و نحوھا۔" (الفروق للقرافی، ص ۲/۱۱۰، الفرق التاسع وسبعون)

اس وقت جبکہ حقوق کی تقسیمیں بھی ہو گئیں اور معاوضہ اور مبادلہ کی صورتیں بھی معلوم ہو گئیں اب وقت آیا ہے کہ حقوق کی ہر ہر قسم پر مناسب احکام صادر کئے جائیں۔

حقوق شرعیہ:

حقوق شرعیہ کے بارے میں اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ اس کے اندر قیاس وعرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ سراسر شریعت کی قائم کردہ چیز ہوتی ہے جیسے حق شفعہ، حق ولاء، حق وراثت، حق نسبت، حق قصاص، حق طلاق، حق حضانت اور حق ولایت وغیرہ۔

حقوق کی تقسیم بھی پہلے کی جا چکی ہے۔ ایک وہ حقوق ہیں جو اصالۃً ثابت نہیں ہیں بلکہ دفع ضرر کے لئے ثابت ہیں، مثلاً حق شفعہ وغیرہ ان کو حقوق ضروریہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

کچھ وہ حقوق ہوتے ہیں جو اصحاب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہوتے ہیں ان کا نام ہم حقوق اصلیہ رکھ سکتے ہیں۔

فقہاء نے ان دونوں حقوق کے لئے الگ الگ احکام بیان کئے ہیں۔

حقوق ضروریہ کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا مالی معاوضہ نہ بطور بیع کے درست ہے اور نہ صلح وتنازل کے طور پر درست ہے، اس لئے کہ حقوق ضروریہ دفع ضرر کے لئے مشروع ہوتے ہیں اور جب صاحب حق مالی معاوضہ پر اس سے دستبردار ہونے یا فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا تو اس سے خود ثابت ہو گیا کہ اس کو ضرر نہیں تھا اور جب ضرر کا ثبوت نہ ہوا تو وہ حق اس کے لئے ثابت نہ رہا اور معدوم چیز کی بیع درست نہیں ہے۔

رہا حقوق کا معاملہ جیسے حق قصاص، حق وراثت وغیرہ تو اس نوع کا حکم یہ ہے کہ بطور بیع کے تو اس کا تبادلہ درست نہیں ہے البتہ بطور صلح وتنازل کے درست ہے یعنی مثلاً کسی انسان کو حق قصاص حاصل تھا اور پھر وہ حق قصاص سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو گیا، تو حق قصاص منتقل ہو کر منزول لہ تک چلا جائے اور پھر وہ منزول لہ قاتل کو قتل کر دے ہرگز نہیں، دوسرے لفظوں میں اسے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقوق اصلیہ ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف انتقال کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے نہ ان کی خرید وفروخت درست ہے اور نہ ان کے اندر ہبہ ووراثت جاری ہو سکتی ہے، اس حکم کی بنیاد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الولا۔"

حقوق ضروریہ اور حقوق اصلیہ کے درمیان حکم کا یہ فرق علامہ بیری نے اشباہ ونظائر کی شرح میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو (شرح الاشباہ والنظائر للبیری (مخطوط) ص ۶۲ و ۶۳۰) اور اس کو علامہ ابن عابدین شامی نے نقل کیا ہے، دیکھئے رد المحتار، ص ۴/۱۶، لیکن یہاں پر یہ شرط ملحوظ رہے کہ

حقوق اصلیہ کا تنازل بالمال اسی وقت درست ہے جبکہ وہ حق معاملہ کے وقت موجود ہو اگر اس وقت موجود نہیں ہے اور آئندہ ہونے کی امید ہو تو اس وقت تنازل وصلح بھی درست نہ ہوگی۔

حقوق عرفیہ:

حقوق عرفیہ کا ذکر بھی سابق میں ہو چکا ہے اس سے مراد وہ حقوق ہیں جو اصحاب حق کے لئے عرف کی بنیاد پر ثابت ہوں نہ کہ شرع کی بنیاد پر، مثلاً راستہ پر چلنے کا حق، حق شرب اور حق تسییل وغیرہ۔ جو عرف کے اندر پہلے ہی سے جاری تھا البتہ شریعت نے ان پر پابندی نہیں لگائی بلکہ اس کو باقی رکھا۔

حقوق عرفیہ کی متعدد قسمیں ہیں:

وہ حق انتفاع جو مادی چیزوں کی ذات سے متعلق ہو جیسے گھر کی ذات کے ساتھ سکونت متعلق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ انتفاع ایک خاص معلوم مدت تک کے لئے ہے تب تو یہ اجارہ کے حکم میں ہے اور اس پر اجارہ ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

لیکن اگر اس منفعت کو کسی دوسرے شخص کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاص کر دیا جائے اور صاحب حق اپنا حق انتفاع دوسرے کی طرف علی سبیل التابید منتقل کر دے تو یہ اس منفعت کی بیع ہو گئی اور یہی وہ بیع ہے جس کو فقہاء احناف نے بیع حقوق مجردہ سے تعبیر کیا ہے اس بیع کے جواز وعدم جواز کے بارے میں ائمہ کرام کے نظریات میں سخت اختلاف ہے بعض لوگ جواز کے قائل ہیں اور بعض لوگ عدم جواز کے۔ حقوق مجردہ میں بہت سارے حقوق داخل ہے مثلاً حق مرور، حق تعلی، حق تسییل، حق شرب، دیوار پر لکڑی رکھنے کا حق، دروازہ کھولنے کا حق وغیرہ۔

حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ چونکہ یہ حقوق، حقوق مجردہ کی قبیل سے ہیں اس لئے ان کی بیع درست نہیں ہے لیکن ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں ان کی بیع کا جواز معروف ہے مگر حنفیہ کے نزدیک بھی مذکورہ حقوق کا عدم جواز بیع مطلقاً نہیں ہے بلکہ ان کی نصوص فقہ میں جو مختلف روایات ملتی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چند شرطوں کے ساتھ ان کے نزدیک بھی حقوق مجردہ کی بیع درست ہے تمام نصوص کا نقل کرنا مقالے کی تطویل کا باعث ہوگا، اس لئے ان عبارات کی روشنی میں جو شرائط ماخوذ ہوتے ہیں انہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شرائط کے ذکر سے قبل ان نصوص سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کا خلاصہ ذکر کر دینا

مناسب معلوم ہوتا ہے، ان نتائج کو چار امور میں حصر کر سکتے ہیں۔

۱۔ بیع کی تعریف ہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مبیع کا عین ہونا شرط نہیں ہے بلکہ وہ ان منافع کی بیع کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو علی سبیل التابید فروخت کئے گئے ہوں، مالکیہ کی کتابوں کی بعض جزئیات سے بھی اسی قسم کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔

۲۔ حنفیہ اگرچہ بیع میں مبیع کے عین ہونے کی شرط لگاتے ہیں لیکن وہ حق مرور کی بیع کی اس تعلیل کے ساتھ اجازت دیتے ہیں کہ حق مرور ایک ایسا حق ہے جس کا تعلق عین سے ہے اس لئے بیع کے معاملے میں اس کا حکم وہی ہوگا جو اعیان کا ہے۔

۳۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن حقوق کا تعلق کسی نہ کسی عین سے ہے ان کا حکم مبیع کے باب میں وہی ہے جو اعیان کا ہے بشرطیکہ وہاں پر بیع کے جواز کے لئے کوئی مانع موجود نہ ہو، مثلاً دھوکہ جہالت وغیرہ کے عناصر اگر اس میں مفقود ہیں تو اس بیع کے جواز میں حنفیہ کو کوئی تامل نہیں ہے۔

۴۔ البتہ جن حقوق کا تعلق اعیان سے نہیں ہے مثلاً حق تعلی وغیرہ ان کی بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے البتہ صلح کے طور پر اس کا معاوضہ لینا جائز ہے جیسا کہ بعض احناف نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ان چار امور کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حقوق عرفیہ کی بیع علی شرط التابید ائمہ الثلاثہ کے نزدیک جائز ہے لیکن احناف ان کی بیع سے یہ کہہ کر روک دیتے ہیں کہ یہ حقوق مجردہ ہیں مگر ان کا حکم اپنے عموم و اطلاق پر نہیں جیسا کہ بظاہر گمان ہوتا ہے بلکہ فقہاء نے بعض ان حقوق کا استثناء کیا ہے جن کا تعلق اعیان سے ہو اس کے علاوہ یہ بھی بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جب سارا مدار عرف پر ٹھہرا تو عرف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا عرف کی تبدیلی بھی مسلم اور مشاہد ہے عرف کو اتنی اجازت تو ملنی ہی چاہئے کہ اگر وہ بعض چیزوں کو مال کے ذیل میں داخل کرنا چاہے تو داخل ہو جائیں خصوصاً اس وقت جبکہ مالیت کا وہ پرانا تصور جو ابن عابدین شامی وغیرہ فقہاء کے یہاں ملتا ہے کہ جس چیز سے جو لوگ خوشحال ہونے لگیں وہ مال ہے یہ اس میں موجود بھی ہو اور پھر عامۃ المسلمین کا تعامل اس کو قوت دے رہا ہو اس وقت اس قسم کے حقوق عرفیہ کی بیع کے جواز کا فتویٰ چند شرطوں کے ساتھ دیا جا سکتا ہے، وہ شرطیں یہ

Scanned with CamScanner

ہیں۔

۱۔ حق ابھی قائم ہو، مستقبل میں ہونے کی امید نہ ہو۔

۲۔ حق صاحب حق کے لئے اصالۃً ثابت ہو دفع ضرر کے لئے اس کا ثبوت نہ ہوا ہو۔

۳۔ وہ حق اس قابل ہو کہ اس کو ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کیا جا سکے۔

۴۔ حق کو باضابطہ طور پر رجسٹرڈ کرا لیا جائے جس سے احراز و ادخار بھی حاصل ہو جائے اور دھوکہ و جہالت بھی لازم نہ آئے۔

۵۔ وہ حق تاجروں کے عرف میں اعیان اور مال کی طرح چل رہا ہو اور لوگ اس کی خرید وفروخت سے رغبت رکھتے ہوں۔

حقوق اسبقیت :

حقوق عرفیہ کی دوسری قسم جسے ہم نے حق اختصاص اور حق اسبقیت سے تعبیر کیا تھا مثلاً کسی مباح زمین پر کوئی آدمی قبضہ کر کے اس میں کاشت شروع کر دے یا مکان بنوائے یا اس کا احاطہ کروادے تو وہ زمین جس پر کوئی بھی قبضہ تملک حاصل کر سکتا ہے اس شخص نے جب پیش قدمی کی تو اسے حق اسبقیت حاصل ہوگئی۔

اس حق کی بیع کے بارے میں بہت کم فقہاء نے کچھ لکھا ہے۔ فقہاء شافعیہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ حق اسبقیت کی بیع درست ہے یا نادرست، علامہ رملی نے نہایۃ المحتاج میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح مسلک یہ ہے کہ نہ ان کی بیع اور نہ ان کا ہبہ درست ہے اس کے بالمقابل دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کی بیع درست ہے (دیکھئے نہایۃ المحتاج، ص ۵/۳۳۶، و مثلہ فی زاد المحتاج کو بھی، ص ۲/۴۰۴، و تحفت المحتاج مع الشروانی، ص ۶/۲۱۳)

فقہاء حنابلہ سے بھی اس باب میں دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں ایک جواز کا قول دوسرے عدم جواز کا، علامہ ابن قدامہ نے الکافی میں بغیر کسی اختلاف کے نقل کئے یہ لکھا ہے کہ حق اسبقیت کی بیع درست نہیں ہے البتہ علامہ مرداوی نے الانصاف میں دونوں طرح کے اقوال نقل کئے ہیں اور نہایت وضاحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ...... مذہب یہ ہے کہ بیع جائز نہیں ہے، ہاں علامہ بہوتی نے حنابلہ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ ناجائز ہونے کی بات صرف بیع کے حق میں ہے بطور

صلح و دستبرداری اس کا معاوضہ درست ہے انہوں نے اس مسئلہ کو خلع پر قیاس کیا ہے۔(دیکھئے شرح منتہی الارادات، للبہوتی، ص ۲/ ۴۶۴) حنفیہ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔

حق عقد:

حقوق عرفیہ کے ذیل میں ایک تیسری قسم حق عقد یا حق وظیفہ کی آتی ہے جس کا ذکر پہلے مجملاً ہو چکا ہے اس سلسلے کی فقہی عبارات سے کتب فقہیہ بھری پڑی ہیں، ان کے اقتباسات بھی اگر نقل کئے جائیں تو کافی تطویل ہو جائے گی ان فقہی عبارات کی روشنی میں جو مختار مسلک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے حقوق کی بیع درست نہیں البتہ مالی معاوضہ کے ذریعہ ان سے دستبردار ہونے کی اجازت ہے۔

اب تک جو تحریر کیا گیا وہ اصولی طور پر کیا گیا اس کے تحت ان تمام حقوق کے احکام معلوم کئے جا سکتے ہیں جو ہمارے زمانے میں رائج ہیں اس باب میں کسی فیصلہ کن نتیجہ تک رسائی کے لئے چند امور کی وضاحت ضروری ہے جب تک ان کے بارے میں ذہن کے اندر کوئی واضح تصور قائم نہ ہوگا مسائل کا حل مشکل ہے۔

۱۔ اولاً یہ کہ بیع کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے۔

۲۔ مال کی حقیقت کیا ہے اور کیا اس کی اصطلاح پر عرف اثر انداز ہو سکتا ہے۔

۳۔ ادخار اور احراز کی کیا شکلیں ہو سکتی ہیں اس بارے میں صرف ایک کلیہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ ہر شی کے مناسب شان اس کا طریقہ ادخار ہوگا۔

یہ اور اس قسم کے چند اصول واضح طور پر ذہن میں اتر جانے کے بعد مسائل کا حل آسان ہے اور بحمد اللہ ان اصولوں پر اب تک کی معروضات میں کافی بحث ہو چکی ہے مزید کچھ عرض کرنا تطویل کا سبب ہے اس لئے انہی شکستہ سطور پر مقالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

Scanned with CamScanner

شریعت مطہرہ اور

پاکستان میں اسقاط حمل کا قانون

ڈاکٹر فرح اسلم

ایک انسان کا ہارمونل سسٹم اس وقت سے ہی کام کرنا شروع کر دیتا ہے جب کہ وہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ Reproductions سے متعلقہ ہارمونز ہر ایک کی بلوغت پر کام کرنا شروع کرتے ہیں Hypothalamus کو ایک اور Gland جس کا نام Pituitary gland ہے حکم دیتا ہے اور وہی افزائش نسل کے ہارمونز (Reproductive hormones) جسم میں خارج کرنا شروع کرتا ہے۔

Hormones کا یہ نظام اپنے فرائض اور اپنے کام بخوبی جانتا ہے۔ بلوغت کے وقت اسے اس کے مالک کا اشارہ کافی ہوتا ہے اپنا کام شروع کرنے کے لیے۔ بلوغت کے وقت (Gonadotrophin releasing Hormone (GnRH) نکلتا ہے جو anterior pituitary gland کو جا کر یہ پیغام دیتا ہے کہ تولیدی اعضاء (reproductive organ) کو کام شروع کرنے کے لیے Hormone نکالے۔ یوں FSH pituitary gland اور LH دو ہارمونز نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ عورت مرد دونوں میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن دونوں صنفوں میں ان کا کام مختلف ہوتا ہے عورت میں Ovary, FSH میں جا کر وہاں پیدائش کے وقت سے کروڑوں کی تعداد میں بنے ہوئے Follicle میں سے ایک کو متحرک کرنا شروع کر دیتا ہے جب کہ مرد میں یہی ہارمونز مرادنہ اعضا میں جا کر مردانہ جرثومہ (Sperm) بنانے کو حرکت دیتا ہے۔ (انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے کہ کون مرد ہے اور کون عورت!) اسی طرح LH(Leutinizing H)‘ رحم (Uterus) میں جا کر اس کی دیوار کو Follicle کے لیے متوازن

کرنا شروع کر دیتا ہے۔پھر بیضہ دانی (Ovary) ہی سے Progesterone اور Oestrogen نکلتے ہیں جو مزید Follicle کو مستعد کر کے اسے Sperm سے ملانے اور Uterus میں اس کے لیے معاون و مددگار ہوتے ہیں، اس کے لیے قوت فراہم کرنے والے Corpus Leuteum کو طاقت دینے کا کام انجام دیتے ہیں۔یوں یہ ایک انتہائی مضبوط، متوازن اور جکڑا ہوا نظام ہے جسے سمجھنے کے لیے اس کا پورا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ہر مہینے یہی عمل دہرایا جاتا ہے۔حمل ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کا اندازہ خون میں Oestrogen اور Progesterone کی مقررہ مقدرہ پر کیا جاتا ہے۔ان کی مخصوص مقدار ant.pit اور پھر Hypothalamus کے لیے اشارہ ہوتی ہے کہ انہیں آگے کیا کرنا ہے آیا بیضہ (egg) اور جرثومہ (sperm) کا ملاپ ہو گیا ہے یا پھر ہر مہینے کی طرح follicle کو باہر آنا ہے۔یہ نظام عورت کے فطری جسمانی نظام کے بالکل اسی طرح متناسب بنایا گیا ہے جیسے کیل ایک لکڑی میں ٹھونکی جائے تو اپنی جگہ کیسے بنا لیتی ہے اگر کیل اکھاڑی جائے تو سوراخ رہ جائے گا۔

یہ وہ مخصوص ساخت ہے جو افزائش نسل انسانی کے ایک حصے کو عطا کی گئی ہے۔جب egg اور sperm کا union ہو جاتا ہے تو عورت کے جسم کا Harmonal اور reproductive,Nervous,Circulatory اور اس کے بعد دیگر نظام بھی پوری طرح سے نئی تبدیلیوں کے حساب سے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔اور یہ ایڈجسٹ دماغ سے لے کر پیروں تک میں ہوتی ہے۔ہارمون سسٹم اس میں پیغامبر کا کام دیتا ہے جس کے بغیر نہ کوئی پختگی ہو سکتی ہے نہ کوئی ادغام نہ ہی تحریک اور نہ ہی آنے والے Zygote(sperm.egg:Zygote) کے لیے uterus میں مناسب جگہ کا تعین اور اس کا Uterus کی دیوار میں اپنے آپ کو پیوست کرنا تا کہ آئندہ کے لیے وہ مقام مستقل ہو جائے۔دوسری طرف عورت کے egg اور مرد کے sperm کا ملنا ایک ایسا کائناتی عمل ہے، اگر اسے سمجھا اور محسوس کیا جائے تو شاید ہر عورت ماں بننے میں فخر کرنا شروع کر دے کہ اس کے اندر کائنات کا ایک عظیم الشان فعل انجام پا رہا ہے، وہ اللہ کی اس عظیم الشان کائنات کا کتنا اہم جز ہے؟ اگر ان اسپرم کے بننے، حفاظت ہونے، female egg سے ملنے کی تفصیلات پڑھی

Scanned with CamScanner

جائیں تو پڑھنے والے پر عظیم الشان انکشافات ہوں کہ یہ سارا عمل کتنا منظم اور مکمل ترین انداز میں انجام پاتا ہے' یقیناً ان سب میں نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لیے۔ ہمارے ہر سیل میں ۴۶ کروموسومز ہوتے ہیں لیکن reproductive سیل یعنی egg اور sperm میں 23,23 ہوتے ہیں جو آپس میں مل کر پھر ۴۶ کروموسومز ہو جاتے ہیں اور یہی تقسیم اس زائیگوٹ کی مزید تقسیم شدہ ہر cell کے لیے متعین ہو جاتی ہے' ہر ۲۳ کروموسومز میں ۶۰ ہزار genes ہوتی ہیں' جو تمام تر ماں اور باپ کی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ ۳۰۰ ملین اسپرم جب egg کی طرف لپکتے ہیں تو مضبوط اور مستحکم اور نہ ٹوٹنے والے ہارمونز سسٹم ہی کی بدولت egg صرف اور صرف ان میں سے ایک اسپرم کا انتخاب کرتا ہے اور یہ عمل ایک گھنٹے میں ہو جاتا ہے (جب کہ اسے مدتیں چاہییں) کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ کیا عمل مکمل طریقے سے انجام پا رہا ہے۔

کون اسے کنٹرول کر رہا ہے اور کس ذریعے سے یہ ہے وہ فطری نظام کا ایک حصہ۔ تمام تر مانع حمل ادویات کا جسم میں داخل ہو کر عمل دکھانا۔ صرف اور صرف اس ہارمونل سسٹم کو خراب کرتا ہے کیونکہ یہ تمام تر عمل ہارمون کے بالکل مطابق اور ان کی خون میں متناسب مقدار کے باعث مکمل ہوتا ہے۔ یہ دماغ سے لے کر نیچے تک ایک ایسا مضبوط ستون ہے جسے درمیان میں اکھاڑ پچھاڑ کرنا' کوئی وقتی فائدہ تو دے سکتا ہے لیکن دائمی طور پر نقصان ہی نقصان ہے۔ مانع حمل ادویات خدا کی بنائی ہوئی اس مستحکم اندرونی قلعوں کو جو کہ عورت کے جسم سے قطعی طور پر مناسبت رکھتے ہیں اور اس کے اور اس کی صحت کے عین مطابق ہیں' میں دراڑیں پیدا کر دیتے ہیں گویا اس خدائی ساخت کو بدلتے ہیں۔

''شیطان نے کہا میں اولاد آدم کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ کو بدل ڈالیں گے'' (النساء: ۱۱۹)

کاسمیٹکس سرجری' مانع حمل ادویات' کلوننگ اور پھر اسقاط حمل کے ذرائع اس قدرتی ساخت میں ردوبدل کر دیتے ہیں۔ اگرچہ علاج کے طور پر صورت حال مختلف ہوتی ہے کیونکہ بیماری کی صورت میں اندرونی نظام نارمل نہیں ہوتا لہذا اسے Normalize کرنے کے لیے بیرونی طور پر ان کی مدد لی جاتی ہے' اس صورت میں اندرونی نظام میں نہ ہی کوئی خرابی ہوتی ہے نہ ہی ردوبدل۔ جسم کا کوئی بھی نظام ہے وہ دوسرے نظام سے مربوط اور جڑا ہوا ہے ایک سسٹم میں خرابی ہو تو پورے جسم پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ (اسی بنیاد پر حدیث میں امت مسلمہ کی مثال ایک جسم کی مانند دی گئی ہے)۔ کسی ایک

سسٹم کو آپ پورے جسم سے الگ کر کے نہ ہی اس کا علاج کر سکتے ہیں نہ ہی تنہا اس میں خرابی پیدا کر سکتے ہیں بلکہ ایک سسٹم کو صحیح کرنے کی دوا' دوسرے نظام پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ ایک عام بات ہے جو ہر پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ لہذا وہ ہارمونز اور وہ glands جو جسم میں صرف اور صرف تولید نسل کے لیے رکھے گئے ہیں ان کے نظام میں خلل پیدا کرنا، دراصل پورے جسم کو بیماری میں مبتلا کرنا ہے۔ ایک سسٹم جو ایک مخصوص کام کے لیے بنا ہے جس کی سالہا سال سے اسی کی مشق (بلکہ جب سے عورت پیدا کی گئی ہے اس کے genes ہی میں یہ کام مختص کر دیا گیا ہے) کروائی گئی اسے یک لخت درمیان سے درہم برہم کرنا' ایک عورت کے ساتھ اس کی دور رس صحت کے ساتھ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس عورت جس کے اسقاط کیا گیا' اور اس کی آئندہ نسل میں تولید کے امکانات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے تولیدی نظام کو توڑ توڑ کر۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق: ''وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے قتل کیا اور اس نعمت کو جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی' اللہ پر افترا باندھ کر اپنے اوپر حرام کر لیا''۔ سورہ الانعام: ۱۴۰)

بہترین آیت ہے۔ واضح لکھا گیا ہے کہ اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے (بغیر صحیح علم رکھے) قتل کیا۔ اس آیت میں اولاد بھی نعمت قرار دی گئی اور اپنی جسمانی صحت بھی نعمت ہے۔ اللہ پر افترا باندھ کر' یعنی اللہ پر توکل نہ کیا اللہ پر اعتماد بھروسہ نہ رکھا بلکہ جھوٹ سوچا کہ وہ ہمارا کچھ نہیں کرے گا۔ ہم کیسے بچے پالیں گے۔ اللہ نے ہمیں زحمت میں ڈال دیا۔

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ان کو رزق دینے والے بھی ہم ہی ہیں اور تم کو بھی۔ ان کو قتل کرنا کبیرہ خطا ہے'' (سورہ بنی اسرائیل: ۳۱)

اسقاط کے متعلق اس سے زیادہ واضح حکم اور کون سا ہو سکتا ہے۔ سوشل اور معاشی مطالبوں پر اسقاط کروانا اس عارضی دنیا کے کچھ عرصے کے فائدے کے مقابلے میں ایک گناہ کبیرہ بہت بڑی مصیبت کمانا ہے۔ اس کی مثال ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کائنات کو ذہن میں لائیں اس میں کھربوں کی تعداد میں ستارے' سورج موجود ہیں۔ ہمارا یہ نظام شمسی جو سورج اور آٹھ سیاروں پر اب تک سمجھی گئی ہے' اس طرح کے کھربوں نظام شمسی ایک کہکشاں میں ہیں اور اس طرح کی لامتناہی کہکشائیں (Galacies) موجود ہیں جن کا صرف تصور ہی ہے۔ اب اپنے نظام شمسی میں دنیا کی حیثیت کو رکھیں۔ دنیا کا ایک حصہ' ایک ملک' ایک شہر ایک علاقہ' ایک گاؤں اس کا ایک گھر' اس میں ایک

Scanned with CamScanner

بچہ اور اس کا قتل' اللہ نے پوری کائنات کے برابر اس کا گناہ کبیرہ قرار دیا۔ اب ہم پر ہے کہ ہم کس کا انتخاب کرتے ہیں۔ اوپر کی دونوں آیتوں میں اولاد کے لیے عربی آیت میں اولاد ہی کا لفظ بیان کیا گیا ہے۔ عربی میں بچے کے لیے دو لفظ ہیں ولد (بچہ جو پیدا ہوا اور جو پیدا نہ ہوا ہو) اور مولود (بچہ جو پیدا ہو گیا ہو) اولاد ولد کی جمع ہے۔ ان آیتوں میں اولاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' مولود کا نہیں' لہذا اولاد کا حکم یہاں اس اولاد کے لیے بھی ہے جو پیدا ہو گئی ہو اور وہ جو ابھی رحم مادر میں ہو۔

سورہ البقرہ کی آیت ۲۰۵ میں ایک تاریخی سچ بیان کیا گیا ہے:

''اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے' کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔'' موجودہ جنگ اور اسقاط کی تحریکیں اسی دور کی پیداوار ہیں جب انسان ترقی کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا اور اسے اس دنیا میں قوت اور اختیار حاصل ہونے لگا تھا۔

انسان اس پوری کائنات میں اللہ کی بہترین مخلوق ہے جس کو دنیا میں بسانے سے پہلے اس کی زندگی اور توانائیوں کو قائم رکھنے کے لیے' یہاں اس کے لئے بہترین ماحول' بھرپور رزق اور مکمل اور بہترین سونے اور آرام کرنے کی جگہ بنایا۔ زمین کے بننے اور اس میں سامان زندگی' اور اس کی رعنائیوں کے بننے میں انسان کی ریسرچ کے مطابق تو لاکھوں سال لگے جب کہ اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق صرف چھ دن۔ قیامت تک کے لیے انسان کی ہزار ہا کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود اس کی زندگی کو قائم ودائم رکھنے کے لیے ہوا پانی کھانے اور روشنی کا انتظام موجود ہے لہذا اس خالق کو اپنی مخلوق کی زندگی سے کتنا لگاؤ ہوگا جس کے نمو و نگہداشت کے لیے اس کی صناعی کا شاہکار ایک عالم بنایا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی پر کتنا اختیار ہے؟ کیا اسقاط پر قطعی پابندی ہے چاہے کچھ بھی حالات ہوں! کیا اس انسان کی قیمتی زندگی کے بارے میں اتنے سخت احکامات ہیں؟ کیا حمل پر قرار پانے والا نطفہ انسانی زندگی ہے؟ اگر ہے تو کب؟ کیا وہ انسان ہے یا ماں کے جسم کا حصہ؟ کیا اسے بھی اتنے ہی انسانی حقوق حاصل ہیں؟ ماں کے اوپر اسے کب ترجیح ملے گی اور کب نہیں؟ اس دنیا میں آنے کا اسے کتنا حق حاصل ہے؟ یہ اور اسی طرح کے دیگر سوالات کے جوابات اب ہم حدیث کی طرف آتے ہیں۔

اسقاط کے سلسلے میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے فقہ نے ٹائم پیریڈ کا بھی اندازہ کیا ہے

Scanned with CamScanner

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہرایک کامادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روزتک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے' پھراس کے بعداتنی ہی مدت منجمدخون کی شکل میں رہتاہے' پھراتنے ہی دنوں وہ گوشت کالوتھڑارہتاہے(اوراسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اورہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے) پھراللہ تعالی چارباتیں دے کرایک فرشتہ بھیجتاہے۔یہ فرشتہ اس کے اعمال اوروقت موت اوراس کارزق لکھتاہے اوریہ کہ بدبخت ہے یانیک بخت' پھراس میں روح ڈالی جاتی ہے۔''

اس حدیث میں ابتدامیں انسانی جسم کے بننے کے مراحل کاذکرہے۔قرآن پاک میں بھی اس طرح کے مراحل کا کئی بارذکرکیاگیاہے۔مثلاً سورہ المومنون کی آیات نمبر ۱۴۔۱۲ میں بھی انسان کے بننے کے مختلف مدارج کاذکریوں بیان کیاگیاہے جیسے اس کی پوری Genetic Coding کارازاخفاکیاگیاہے۔

''ہم نے انسان کومٹی کے ست سے بنایا' پھراسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوندمیں تبدیل کیا' پھراس بوندکولوتھڑے کی شکل' پھرلوتھڑے کوبوٹی بنادیا' پھربوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھرہڈیوں پرگوشت چڑھایاپھراسے ایک دوسری ہی مخلوق بناکھڑاکیا' پس بڑاہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھاکاری گر''......

سب سے پہلے انسان کابنابتایاکہ اسے مٹی کے ست سے بنایا۔پھراسے ایک محفوظ جگہ پرٹپکی ہوئی شکل کی بوندمیں تبدیل کردیا۔یہ پوراانسان کی چِپ ہے اس کی پوری Geneticcode کو(۲۳)باپ کے Chromosome میں تبدیل کیایعنی پورے انسان کی Moral, Mental, physical ہرقسم کے کیریکٹراورخصوصیات کوایک چِپ میں تبدیل کرکے اسے ایک بوند (Zygote) جوماں اورباپ کے Reproductive Cells کے ملنے سے بنا) میں رکھدیاگیا۔اس میں ایک انسان کے بننے کی پوری ترکیب تھی جسے ماں کے Uterus ایک محفوظ ترین جگہ میں رکھاگیا۔

قرآن کی آیات اورزچگی کے بارے میں جدیدسائنسی تحقیقات:

ابھی Zygote' ماں کے رحم میں پہنچتابھی نہیں ہے کہ خون کالوتھڑابن چکاہوتاہے۔ماں کے رحم میں یہ

Scanned with CamScanner

لوتھڑا اس کی دیوار سے پیوست ہو کر خون حاصل کر کے سائز میں بڑا اور پھر ۴۰ دنوں میں اس کی شکل مچھلی کی طرح ہو جاتی ہے اور اب یہ Embryo نامکمل بچے Fetus اور ۸ ہفتوں میں آنکھوں سمیت بچے (Fetus) کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس وقت اس کی ناک اور بیرونی کان بھی بن چکے ہوتے ہیں۔ انگلیاں ہاتھوں اور پیروں کی بازوؤں سمیت بن چکی ہوتی ہیں۔ ۱۲ ہفتوں کے (Fetus) کے اندرونی اعضاء آنتیں اور جنسی اعضاء (بیرونی طور پر) بن جاتے ہیں۔ ۱۳ ویں دن کچھ Cells، اس جگہ جہاں سینے میں دل نے بننا ہوتا ہے وہاں U.shape میں ترتیب پائے جاتے ہیں ۲۱ ویں دن تک ہزاروں Cells نے خون کی شریانیں بنالی ہوتی ہیں۔ خون کی شریانیں بننے سے پہلے ہی دل کے کچھ Cells سکڑنا اور پھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے دل کرتا ہے (ایک جدید ترین تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ ۲۵۔۱۸ ویں دن پہلی مرتبہ Heart Beat,60/min آجاتی ہے) ۲۵ ویں دن پر دل کا ایک چیمبر دیکھا جا سکتا ہے۔ ۲۶ اور ۲۷ ویں دن دل کے دوسرے چیمبر بننے شروع ہو جاتے ہیں ۳۳ ویں دن پر ateria اور Vetricles بننا شروع ہو جاتے ہیں اور ۴۰ ویں دن تک پورا دل بن جاتا ہے۔

۵ ویں ہفتے سے نروس سسٹم (اعصابی نظام) بننا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ 5000/sec کے رفتار سے بنتے ہیں۔

اسی طرح چوتھے ہفتے سے ہی آنکھ کی جگہ پر دو حلقے اور پھر آنکھ بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور کائنات کے پہلے کیمرے بننے کا عمل ایک مہینے میں پورا ہو جاتا ہے اور ساتویں ہفتے تک ہڈیوں کے Cells بھی جہاں جہاں ہڈیوں نے بننا ہوتا ہے وہاں جمع ہو کر Skeleton بنا چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد Muslle Cells گروپ بنا بنا کر مطلوبہ شکلوں میں ان پر چڑھ کر کناروں سے اور درمیان سے ان ہڈیوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ ان سب کے بننے، جمع ہونے اور خاص شکل اختیار کرنا ایک انتہائی حیرت انگیز اور اعلی درجے کی کمالیت ہے جسے تفصیل سے پڑھنے پر انسان کے بننے کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے ان تمام Cells کو سخت احکامات ہیں کہ انہیں کہاں، کیسے اور کس حد تک کتنی تعداد اور مقدار میں جمع ہونا اور تربیت پانا ہے گویا ایک صناع اپنے خاص حکم اور ارادے سے ان کو کنٹرول کر رہا ہے عمل تفنس کے تمام اعضاء بچے میں بن جاتے ہیں لیکن وہ ماں ہی کے آکسیجن سے سائنس لیتا ہے۔ جب دنیا میں آتا ہے تو پہلی بار اس کے Lungs اس ہوا کی آکسیجن لیتے

ہیں اسی لیے پہلی بار بچہ کورلانا تاکہ اس کے پھیپھڑے پوری طرح ہوا سے بھر جائیں ضروری ہوتا ہے۔یہ تو انسان کے تشکیل پانے کے چند مراحل ہیں جو مختصر اً یہاں بتائے گئے ۔حدیث میں ذکر ہے کہ ۱۲۰دن پورے ہونے کے بعد(تقریباً ۳۔۱۷ ہفتے)ایک فرشتہ آتا ہے' اس کی عمر' وقت' موت اور اس کا رزق اور یہ کہ بد بخت ہے یا نیک بخت پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔اس حدیث کو جواز بنا کر ۱۲۰دن سے پہلے ہر قسم کے اسقاط کا فتوی لیا جاتا ہے کہ ۱۲۰دن سے پہلے Feotus زندہ نہیں ہے۔اسی لیے اس کو اسقاط کرنا قتل نہیں ہوگا جب کہ ایسا نہیں ہے Embryo انسان کی شروحات ہے اور ۱۲۰ سے پہلے یہ ماں کے جسم کا حصہ۔جب کہ جدید ترین حساس آلات ۱۸ یا ۲۵ ویں دن پر (60/min)Heart Beat پر ریکارڈ کر چکے ہیں۔اسکالرز کے مطابق Fetus تو اسی وقت بننا شروع ہوجاتا ہے جب male اور female کے reproductive cells ملتے ہیں (Fertilization)۔اسی طرح چند گھنٹوں کے اندر اندر Cells تقسیم در تقسیم ہوکر خون کا ٹکڑا بن چکے ہوتے ہیں اور یہ قرآن وحدیث کے مطابق انسان کی تشکیل کا پہلا مرحلہ ہے۔

جہاں تک ۳۔۱۷ ہفتوں (۱۲۰دن) سے پہلے کی بات ہے کہ اس وقت Blasto cyst,marula اور پھر embryo یہ سب ماں کے جسم کے حصے ہیں۔ہر انسان کو جسم ایک مقدس امانت کے طور پر دیا گیا ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق کانٹ چھانٹ نہیں کرسکتا کیا کوئی ماں اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کاٹ سکتی ہے اگر نہیں تو پھر جسم کے اس فطری حصہ کو کاٹ کر ہٹا دینا اس کے اختیار میں کیسے ہوسکتا ہے؟

یہ اپنے طور پر اگر چہ زندہ نہیں رہ سکتے لیکن ایک زندگی بننے والے ہیں اور آنے والی زندگی (جب کہ آپ اس دنیا میں آ چکے ہیں) کو اس دنیا میں نہ لانے کا اختیار کسی انسان کو نہیں دیا گیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسقاط کی اسلام میں قطعی اجازت نہیں۔شریعت اس صورت میں اسقاط کی اجازت دیتی ہے جب کہ کم اہم اور زیادہ اہم والی بات آجاتی ہے۔حدیث کے مطابق "جب دو مباح میں سے ایک کو اختیار کرنا ہو تو کم مباح کو اپناؤ۔صرف یہ ایک صورت آتی ہے جب کہ اسقاط کا عمل جائز قرار پاتا ہے کہ ماں اور بچے کی زندگی یا صحت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو یقیناً ماں ہی اول انتخاب قرار پائے گی۔اس کے علاوہ پہلا بچہ کی رضاعت کے دوران ہے اس وقت بکراہیت یہ کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بھی اس وقت جب کہ روح کا نزول نہ ہوا ہو۔ ۴ اماموں کا اسقاط کے متعلق فقہ یہ ہے۔

اسقاط اور فقہ:

☆ **امام ابوحنیفہؒ:** اسقاط کی اجازت صرف ایک بنیادی سبب کی بنا پر ۱۲۰ دن تک اجازت دیتے ہیں۔ایک بیوی اس دوران شوہر کی اجازت کے بغیر بھی اسقاط کرواسکتی ہے ۱۲۰ دنوں کے اندر جب کہ اس کے پاس اس عمل کی بہت بنیادی وجہ موجود ہو۔

☆ **امام مالک** کے فقہ میں اسقاط قطعی حرام ہے۔ان کے خیال میں جیسے ہی مرد کا نطفہ عورت کے Ovum سے ملاپ کرتا ہے اس سے زندہ جسم بننا شروع ہوجاتا ہے متوقع طور پر اس لیے اسے چھیڑنے کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں۔امام ابن جوزیؒ کے مطابق جب رحم نے نطفہ کو تھام لیا تو کسی عورت یا مرد (شوہر یا بیوی) یا دونوں، یا باندی کے مالک کو اجازت نہیں کہ اسے اسقاط کرے۔روح کے دخول کے بعد تو یہ قتل کے مترادف ہے۔البتہ ۴۰ دن کے اندر اسقاط کی مشروط اجازت دی ہے وہ وہی بنیادی وجہ ہے کہ ماں کی زندگی یا اس کی رضاعت (جب کہ پہلا بچہ سوائے دودھ کے کچھ نہ کھاتا پیتا ہو) کہ اسے خوف ہو کہ حمل اس کے دودھ کو ختم کردے گا۔۱۲۰ دن کے اندر اسقاط مندرجہ بالا شرائط کے تحت کروانے سے عورت ایک اخلاقی حد تو پار کرتی ہے مگر جرم نہیں۔

☆ **امام شافعیؒ:** اسقاط کی ۱۲۰ دن کے اندر مشروط اجازت دیتے ہیں۔

☆ **امام احمد حنبلؒ:** اسقاط کی ۱۲۰ دن کے اندر مشروط اجازت دیتے ہیں۔

فقہ شیعہ کے تین بڑے گروپس ہیں (۱) اثنائے عشری (بارھویں) (۲) اسماعیلی (ساتویں) (۳) زیدی (پانچویں)

(۱) اثنائے عشری ۱۲ اماموں کو مانتے ہیں

(۲) اسماعیلی ۱۲ اماموں (اثنائے عشری) کے ابتدائی ٦ اماموں کو مانتے ہیں اس کے ساتویں امام میں اسماعیلی کی شاخ میں سے ہیں۔

(۳) زیدی (یمن) ابتدائی ۴ اماموں کو مانتے ہیں اس کے بعد صرف ۵ ویں جوان کا رہنما ہے۔

اثنائے عشری: میں ہر طرح سے اسقاط حرام ہے صرف ماں کی جان بچانے کے لیے اجازت ہے

اگر چہ انفرادی طور پر کہیں مفتی، ضرورت کے تحت فتوے دے دیتے ہیں۔

اسماعیلی: ایک گروپ ان میں اسقاط کو حرام قرار دیتا ہے ۴۰ دن سے پہلے اسقاط کی سزا جرمانہ ہے۔ ۴۰ دن کے بعد سخت سزا ہے۔ ایک آزاد گروپ ان میں ہر طرح سے اسقاط کی اجازت ہے۔

زیدی: ۱۲۰ دن سے پہلے ہر طرح کے اسقاط کی اجازت ہے۔

ان تفصیلات کے بعد درج ذیل نکات ذہن میں آتے ہیں۔

1۔ Zygote,(fertilize Ovum) ایک انسانی زندگی کا آغاز ہے۔ اس کی عمر، رزق، مقدر اللہ کی طرف سے ہوگی۔ اس کو رزق پہنچانے کا ذمہ دار وہ ہے۔ جس نے اس میں روح ڈالی ہے۔ ماں باپ نہیں۔ اس نے آگے کیا صورت اختیار کرنی ہے، مستقبل کیا کرنا ہے وہ اللہ عالم الغیب کو پتا ہے۔

۲۔ اگر چہ روح کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں حدیث کی رو سے روح ۱۲۰ دن ۱۷۔۳ ہفتے یا تقریبا ۴ مہینے پر ڈالی جاتی ہے۔ اس سے پہلے یہ ماں کے جسم کا حصہ ہے اور کسی ماں یا باپ کو یہ اختیار بلکہ کسی انسان کو اپنے جسم پر یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اس کا کوئی حصہ صرف معاشی یا اپنے ذمہ داری نہ نبھانے کی وجہ سے کاٹ دے۔ کوئی انسان اپنے جسم کا کوئی حصہ فالتو یا اپنے اوپر بوجھ سمجھ کر کاٹ دینے کا مجاز نہیں، اگر ایسا کرے گا تو سخت مواخذے کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۳۔ ۱۲۰ دن کے اندر یا ۴۰ دن کے اندر اسقاط کی اجازت مشروط ہے۔ ماں کی زندگی خطرے میں پڑتی ہے تو یقینا ماں ہی بچانے میں پہلی ترجیح ہوگی۔ کیونکہ وہ ابتداء ہے اسے دوسرے بچے مل جائیں گے لیکن بچے کو ماں نہیں ملے گی، حدیث بھی یہی ہدایت دیتی ہے۔

۴۔ کسی معاشی، معاشرتی، سیاسی وجوہات یا اپنے کسی غیر شرعی مطالبے پر اسلام میں اسقاط کی گنجائش نہیں ہے۔ ناجائز بچے کا وجود اسلامی تاریخ کا حصہ ہے۔ جس کی ماں (غامدیہ) اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اپنے گناہ کی سزا چاہی تھی۔ لیکن اس کا بچہ پلا بڑھا اور پرورش پائی۔

۵۔ کوئی انسان یہ نہیں جانتا کہ پیدائشی نقص یا بیماری سے پیدا ہونے والا بچہ اس دنیا یا آخری دنیا کی کتنی خوش بختیاں اسے دے گا۔ اس دنیا میں ایسے بچے کے لیے کی گئی تگ ودو اسے عظیم اجر اور گناہوں کی معافی کا حقدار بنا دے گی۔ کیونکہ پیدائشی نقائص لے کر پیدا ہونے والے بچے اللہ کی جنت کے دروازے اپنے والدین کے لیے کھولیں گے۔ کیا معلوم ایسے بچوں کو دنیا میں آنے سے روک کر ہم کسی

Scanned with CamScanner

دوسری بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔

۶۔اگر ماں کا انسانی حق ہے زندہ رہنے کا تو دوسرے آنے والے کا بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔کسی درخت کے بیج ختم کر کے اس درخت کی نسل کو نقصان ہوگا کیونکہ بیج نے ہی آگے جا کر درخت بنتا ہوتا ہے۔ ....(جاری)

علامہ سید محمد مدنی اشرفی کی تازہ تصنیف

مسلم پرسنل لاء یا اسلامک لاء

(ہندوستاں کے معروضی حالات کے تناظر میں) ...... ۷۲ صفحات ......غیر مجلد

گلوبل اسلامک مشن نیویارک یو ایس اے

ملنے کا پتہ: جامعہ غوثیہ اسلامیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

E.mail: info@suffahfoundation.com

احسن القواعد الترکیبیہ

درسی عربی کتب کی عبارات کی ترکیب کے قواعد آسان انداز میں

جناب مولانا محمد احسن اویسی کی نئی پیش کش......

از افادات مفتی لیاقت حسین مظہری صاحب

صدر مدرس جامع العلوم مرکزی عید گاہ خانیوال

ملنے کا پتہ: دار العوم حنفیہ غوثیہ پی ای سی ایچ سوسائٹی بلاک ۲ کراچی

میانوی خاندانِ مفتیاں

کی علمی و ادبی اور دینی و علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ

مولانا غلام رسول انیس

زیر نظر مقالہ مولانا غلام رسول انیس نے لکھا تھا انہیں شوق تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے ان معروف علماء ومفتیان کرام کے علمی کارناموں کو منظر عام پر لائیں جن کی خدمات علمیہ سے اہل علاقہ تو واقف ہیں مگر ملکی سطح پر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کا تعارف ماند پڑتا جارہا ہے اور ان کی علمی کاوشوں کی اشاعت بھی مکمل طور پر نہیں ہوسکی، راقم کو ان کی رائے پسند آئی اور انہیں اسے اپنے ایم فل / پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا عنوان بنانے کا مشورہ دیا۔ الحمدللہ دو برس کی محنت سے مقالہ مکمل ہوا اور اس پر انہیں ایم فل کی ڈگری بھی مل گئی، اب وہ پی ایچ ڈی کے لئے مواد کی تیاری کے مراحل میں تھے کہ اللہ کی رحمت کا بلاوا آ گیا، وہ ایم فل کا مقالہ شائع نہ کرواسکے، اور نہ پی ایچ ڈی کا مرحلہ شروع ہوسکا، وہ حافظ قرآن تھے، ابھرتے ہوئے محقق عالم تھے، عساکر کے امام تھے، خطیب تھے، مطالعہ انکا مشغلہ تھا، وہ علمی مباحث میں دوستوں سے الجھتے بھی تھے اور الجھے ہوئے مسائل سلجھاتے بھی تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ہم ان کا غیر مطبوعہ مقالہ قسط وار شائع کرنے کے بعد طبع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں سو پہلی قسط پیش خدمت قارئین ہے۔

قصبہ میانی اور اس کا تعارف

میانی ایک قدیم قصبہ ہے مگر قریبی شہر بھیرہ کی مانند قدیم نہیں اس کے بہت بعد معرض وجود میں آیا۔ میانی صرف چار سو سال پرانی جبکہ بھیرہ کا وجود زمانہ قبل مسیح سے ہے۔ حملہ آوروں کی تباہ کاریوں میں تو اس کا ذکر ملتا ہے لیکن ابتدائی ایام کی تہذیب وتمدن، مذہبی وعلمی حالات، معاشی رجحانات اور انتظامی معاملات سے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں اس کی اہمیت ایک دیہہ سے کچھ زیادہ نہ ہو۔

میانی اس لحاظ سے ایک تاریخی شہر ہے کہ یہ مغل بادشاہ شاہجہاں کے دور میں سرکاری سرپرستی میں تعمیر ہوا۔ قیام پاکستان تک تین حکومتوں کے زیر تسلط رہا۔ پہلے مغل، پھر سکھ اور آخر میں انگریز اس پر حکمران رہے۔ سارے ہندوستان کی طرح اس نے بھی گردش دوراں کے نشیب وفراز دیکھے۔ میانی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ یہ شہر کیوں، کب اور کیسے آباد ہوا؟ اس کا بانی کون تھا؟ آبادکاری کے بعد مختلف ادوار میں یہ کن حالات سے گذرا؟ چونکہ قبل ازیں میانی کی تاریخ وحالات پر کوئی کتاب موجود نہیں اس لیے ان تحقیق طلب سوالات کی اولین جستجو کا نتیجہ پیش خدمت ہے۔

محل وقوع:

شہر میانی 32 درجے عرض بلد شمالی ("48 "31) اور 73 درجے طول بلد شرقی ('7 "30) پر، دریائے جہلم کے بائیں کنارے پنڈ دادن خان کی مخالف سمت میں واقع ہے۔ (۱)

یہ ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال کا حصہ ہے۔ میانی بھیرہ سے مشرق میں 16 کلومیٹر، بھلوال سے 41 کلومیٹر اور سرگودھا سے 73 کلومیٹر شمال میں ضلع سرگودھا کی شمالی سرحد پر، اور لاہور اسلام آباد موٹروے پر بھیرہ انٹرچینج سے نکلتے ہی اسی سڑک پر 20 کلومیٹر مشرق میں، ملکوال سے 15 کلومیٹر مغرب میں اور پنڈ دادن خان سے براستہ دریا 8 کلومیٹر جنوب میں آباد ہے۔ سڑک کے ذریعے ایک طرف بھیرہ بھلوال سرگودھا دوسری جانب براستہ بھیرہ جھاوریاں شاہ پور خوشاب، تیسری جانب ملکوال منڈی بہاول دین گجرات اور چوتھی جانب پھالیہ پنڈ ملکومونہ میانہ گوندل اور ہیڈ فقیریاں سے منسلک ہے۔ بذریعہ ریل ایک طرف اس کا رابطہ بھیرہ سے تو دوسری طرف ملک وال جنکشن کے ذریعے سرگودھا، لالہ موسیٰ، کھیوڑہ، پنڈ دادنخان اور خوشاب سے ہے۔ تاہم فی الحال ملک وال تا بھیرہ سیکشن پر ریل تعطل کا شکار ہے۔

میانی کی وجہ تسمیہ:

میانی، میان سے ہے اور میان فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی وسط اور درمیان ہے۔ لغت نامہ دھخدا کے مصنف علی اکبر لکھتے ہیں "میان ہر چیز کے وسط کو کہتے ہیں جیسے میان مجلس، میان شہر، میان باغ وغیرہ، کسی جگہ کا وہ اندرونی مقام کہ اس جگہ کے تمام اطراف سے وہاں تک تقریباً ایک جیسا فاصلہ ہو" (۲)

نیز لکھتے ہیں "میانی وسط اور درمیان سے منسوب ہے، وہ جو درمیان سے نسبت رکھتی ہو، ہر وہ چیز جو وسط اور درمیان میں واقع ہو میانی کہلاتی ہے" ان کے الفاظ ہیں

میانی منسوب بہ وسط، منسوب بہ میاں، آنچہ نسبت بہ میاں دارد، ہر چیز کہ در وسط ومیان واقع شد۔ (۳)

اور قاموس مترادفات میں اس کے معنی یوں ہیں "میان، درمیان وسط بیچ منجھ مدھ نیام غلاف شمشیر کمر، اور میانہ درمیان بیچ وسط مدمنھ، درمیانہ وسطی مرکزی متوسط، بیچ راس کیلی دھرا محور قطب" (۴)

اور فرہنگ آصفیہ میں ہے کہ میان فارسی اسم مذکر درمیان وسط بیچ، کمر نیام غلاف شمشیر، تلوار کا گھر۔ اور میانی اسم مئونث ہے خشتک، دونوں پائنچوں کے بیچ کا کپڑا، پاجامہ کا وہ کپڑا جسے رومال بھی کہتے ہیں" (۵)

ان معانی کا حاصل یہ ہے کہ میانی کا مطلب ایسا شہر یا آبادی جو کسی مخصوص جگہ کے وسط، درمیان (CENTRE) میں واقع ہو، نیز اہم اور مرکزی آبادی یا شہر بھی مراد ہوسکتا ہے۔

شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء۔۱۵۴۵ء) نے ملک میں آمد و رفت کی آسانی کے لئے سڑکوں کا جال بچھایا۔ پشاور سے کلکتہ اور بنگال تک سڑک تعمیر کرائی جو جرنیلی سڑک مشہور ہوئی۔ بعد ازاں انگریزوں نے اسے Grand Trunk Road کا نام دیا جو عام طور پر جی ٹی روڈ کہلاتی ہے، سوری نے ملک کے دیگر اہم حصوں کو اس سڑک سے منسلک کرنے کیلئے لنک روڈ نکالے۔ یہ رابطہ سڑکیں بھی جرنیلی سڑکیں کہلاتی ہیں۔ ان تمام سڑکوں پر درخت لگوائے، مختلف مقامات پر سرائیں اور گیسٹ ہاوس بنائے گئے۔ ایک رابطہ سڑک کھاریاں یا گجرات کے قریب جی ٹی روڈ سے شروع ہو کر میانی بھیرہ، شاہ پور اور خوشاب سے گذرتی ہوئی بھکر تک جاتی ہے۔

۱۵۴۰ء میں سوری نے بھیرہ کی مرکزی مسجد بنوائی (۶)، اور بھیرہ شہر کی تعمیر نو کی (۷)۔ ممکن ہے کہ میانی کے مقام پر ایک سرائے تعمیر کروائی ہو۔ یا پھر ممکن ہے کہ جہانگیر نے یہاں سرائے بنوائی ہو۔ کیونکہ ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو اقتدار سنبھالتے ہی بارہ احکام پر مشتمل جو پہلا حکم نامہ اس نے جاری کیا اس میں مسافروں کی جان و مال کے تحفظ کے لیے شاہراہوں پر سرائیں، کنویں اور مسجدیں تعمیر کرنے کا حکم بھی تھا۔ (۸)

وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سرائے کس نے تعمیر کروائی تاہم زیادہ قرین قیاس یہی

Scanned with CamScanner

ہے کہ سوری نے بنوائی ہو کیوں کہ وہ تعمیر سڑک کے وقت بالالتزام مناسب مقام پر سرئیں بنوا رہا تھا نیز اس کے قریب بھیرہ کی تعمیر نو اور تعمیر مسجد کی وجہ سے یہاں زیادہ توجہ مبذول تھی۔

بہر حال جس نے بھی بنوائی ہو شروع میں یہاں ایک سرائے تھی اور اس وقت یہاں کوئی شہر یا آبادی نہیں تھی۔ ممکن ہے دو طرفہ کوئی مقام متعین کر کے یہ سرائے درمیان میں بنائی گئی ہو اسی وجہ سے یہ جگہ شروع میں سرائے میانی کہلاتی تھی۔ بعد میں شہر آباد ہونے پر رفتہ رفتہ لفظ سرائے ختم ہو گیا اور میانی رہ گئی۔ یہ سرا ئے انگریزوں کی عمل داری میں بھی موجود تھی۔ جمیز ولسن ڈپٹی کمشنر شاہ پور نے، شاہ پور گزٹیر مطبوعہ ۱۸۹۷ء میں دیگر عوامی عمارتوں کے ساتھ سرائے کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں

''عوامی عمارتوں میں ایک تھانہ، ٹاؤن ہال، سکول اور ایک سرائے شامل ہے جس کے ساتھ ریسٹ ہاوس منسلک ہے۔ یہاں ایک ریلوے اسٹیشن بھی ہے جس کے ساتھ ریلوے کا ریسٹ ہاؤس ہے'' (۹)

میانی کے عمر رسیدہ باشندوں کے مطابق قیام پاکستان کے وقت بھی خستہ حالت میں یہ سرائے مو جود تھی بعد میں اس کے آثار نابید ہو گئے۔

اس کے علاوہ پنجاب میں بعض میانی نام کی آبادیوں کی ایک وجہ تسمیہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ لفظ میانہ پنجابی زبان میں مولوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مولوی کا گھر میانہ گھر اور اس کا محلہ میانہ محلہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کوئی آبادی مقامی طو ر پر مولوی سے منسوب ہو جاتی ہے۔ بایں طور کہ علاقے میں مولوی کے مشہور ہونے یا کسی نئی جگہ اس کی طرف سے آبادی کا آغاز کرنے سے وہ آبادی وہاں کی روز مرہ گفتگو میں اسی سے منسوب اور بعد میں اسی نام سے موسوم ہو جاتی ہے۔ ایسی آبادیاں عموماً اس طرح کے ناموں سے ہوتی ہیں۔ مثلاً میانہ گھر، میانہ مکان، میانہ آباد، میانہ محلہ، میانہ چوک، میانہ گاؤں، میانہ لوک، میانہ گراں، میانہ مدرسہ، میانہ ڈیرہ، میانہ دارا، میانہ کھوہ، میانہ قبرستان وغیرہ اور کبھی اسی لفظ میانہ سے اسم مئو نث ہو کر میانی کوٹھی، میانی آبادی، میانی کالونی، میانی لوکڑی، میانی ڈھوک، میانی درس گاہ، میانی گھوئی، میانی دکان، میانی سڑک اور میانی قبرستان وغیرہ کے طور پر معروف و مشہور ہو جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ گفتگو میں اختصار کے پیش نظر دوسرا لفظ متروک اور صرف پہلا باقی رہ جاتا ہے۔

لاہور کا مشہور ''میانی صاحب قبرستان'' دراصل اسی طرح ایک معروف عالم دین سے منسو ب میانہ محلہ تھا جو بعد میں میانی آبادی یا کالونی کے مرحلے سے گذر کہ صرف میانی رہ گئی اور آبادی ختم

ہونے پر وہاں قبرستان بن گیا جو اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ یہ محلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اور آپ کے صاحبزادوں کے اتالیق حضرت علامہ طاہر بندگی نقشبندی (متوفی ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ع) نے آباد کیا اور انہی کی طرف منسوب ہوا۔ وصال کے بعد آپ وہیں دفن ہوئے تو قبرستان بھی میانی ہی مشہور ہو گیا یعنی مولوی والا قبرستان۔ انہوں نے یہاں ایک دینی درس گاہ قائم کی تھی اور ساتھ محلہ آباد ہو گیا۔ یہ مدرسہ دو صدیوں تک قائم رہا سکھا شاہی دور میں سکھوں نے مدرسہ، اس کی نادر کتب اور محلہ برباد کر دیا اور آبادی معدوم ہو گئی (۱۰) ڈاکٹر ایم ایس ناز لکھتے ہیں "لاہور کے تاریخی محلوں میں جو حیثیت محلہ میانی صاحب کو حاصل ہے وہ شاید ہی کسی اور محلے کے نصیب میں لکھی ہو۔ یہ محلہ مزنگ کے مشرق میں ہی آباد کیا گیا، اور اب تک چلا آ رہا ہے، اس محلہ کی بنیاد حضرت شیخ طاہر بندگی قادری نقشبندی نے رکھی تھی جو شہنشاہ نور الدین جہانگیر کے دور میں سرہند سے لاہور تشریف لائے تھے، حضرت صاحب کی ذات بابرکات کئی دینی صفات کی حامل تھی، یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں یہ محلہ بہت جلد آباد ہو گیا اور آبادی اور وسعت کے لحاظ سے یہ علاقہ دوسرے محلوں سے سبقت لے گیا، حضرت شیخ طاہر کا حلقہ مریدین بہت وسیع تھا اور "میانہ" پنجابی زبان میں چونکہ مولوی کو کہتے ہیں اس لیے یہ محلہ میانہ صاحب مشہور ہو گیا۔ میانی، اس لفظ کی بدلی ہوئی صورت ہے، حضرت شیخ طاہر بندگی کے انتقال کے بعد انہیں اسی محلہ میں دفن کیا گیا، جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں اس محلہ کی وسعت چوبرجی سے لے کر مزنگ تک ہو گئی، آج کل یہ محلہ کئی ذیلی حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور شیخ طاہر کا مزار تو خاص قبرستان میانی صاحب میں آ گیا ہے۔

سکھوں نے اپنے عہد میں مسلم دشمنی کے بدنام جذبہ سے اس محلہ کو لوٹا، اور سب سے پہلے حضرت شیخ طاہر قادری کے دینی کتب خانے کو نذر آتش کیا، اور پھر سارے محلے کو آگ لگا دی، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ محلہ ویران و برباد ہو گیا۔ مسلمانوں نے بعد ازاں یہاں مردے دفنانا شروع کر دیئے، بعد ازاں کچھ ہی فاصلے پر ایک نئی بستی ابھر آئی جو آج بھی موجود ہے، جدید لاہور کے مشرقی سمت کی آبادیوں میں جانے کیلئے محلہ میانی صاحب والی سڑک سے ہو کر ہی جانا پڑتا ہے" (۱۱)

اس نہج پر دیکھا جائے تو میانی شہر کے خانوادۂ مفتیاں کے مورث اعلیٰ حضرت مفتی محمد اسماعیل دہلوی بغرض تبلیغ دین میانی کی آبادکاری کے کچھ ہی عرصہ بعد آ کر میانی میں رہائش پذیر ہوئے جیسا کہ آئندہ سطور میں میانی کی ابتدا اور مفتی صاحب کے تذکرہ میں ان کی آمد سے ظاہر ہوتا

ہے۔ ممکن ہے کہ مولوی صاحب سے منسوب ہو کر میانی آبادی وغیرہ کے نام سے مشہور ہو گئی ہو۔ تا ہم واضح رہے کہ یہ صرف ایک امکانی صورت ہے جسے ذکر کر دیا گیا ورنہ تا حال ایسا کوئی حوالہ یا ثبو ت دستیاب نہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان سے منسوب ہو کر اس آبادی کا یہ نام ہو گیا ہو۔

یہ بات بھی باعث دلچسپی ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں اس نام کی متعدد بستیاں موجود ہیں مثلاً بھیرہ سے متصل ایک گاؤں میانی، ضلع چکوال میں کلر کہار اور بوچھال کلاں کے درمیا ن میانی، خوشاب میں سکیسر اور میانوالی کے درمیان ڈھوک میانی، گجرات میں پنڈی میانی، اسی طر ح ہندوستان کے علاوہ آذر بائیجان اور ایران میں میانی، میانہ، میانہ آباد، میان آباد، میان کوہ، میا ن گراں وغیرہ ناموں سے کئی آبادیاں موجود ہیں ملاحظہ ہو لغت نامہ دھخدا۔ (۱۲)

اسی طرح ایک ہی نام سے کئی دیگر قصبے اور شہر موجود ہیں جیسا کہ مشہور شہر لاہور، پاکستان میں فیصل آ باد، میانوالی، سوات، صوابی، مالاکنڈ، دیر اور مردان کے علاوہ امریکہ کی ریاست ورجینیا میں بھی لا ہور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی ہم نام آبادیاں کوئی معنوی مناسب و مطابقت رکھتی ہیں۔

میانی کی آبادی کا قدیم قصبہ:

موجودہ مقام پر شہر میانی کے آباد ہونے سے پہلے دریائے جہلم کے کنارے پر ایک قصبہ آباد تھا جس کا نام شمس آباد تھا جو بعد ازاں دریا برد ہو گیا تو یہ نیا قصبہ تعمیر کیا گیا۔

نیا شہر میانی:

موجودہ جگہ پر نیا شہر میانی مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے سُسر آصف خان نے تعمیر کرایا،

جیمز ولسن کے الفاظ ہیں

"The original town was called shamshabad. This was swept away by the river, and a town on the present site was built under the auspices of Asaf Khan, father-in-law of the Emperor Shah Jehan, by two Hindus, Madho Das and ShibRam" .(13)

''اصل قصبے کا نام شمس آباد تھا۔ یہ دریا برد ہوا تو موجودہ جگہ پر نیا قصبہ شہنشاہ شاہ جہاں کے سُسر آ صف خان کی سرپرستی میں دو ہندوؤں مادھو داس اور شھب رام نے تعمیر کیا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جب شمس آباد دریا برد ہوا تو وہاں کی آبادی کو آصف خان کی زیر سرپرستی یہاں لا کر آباد کیا گیا اور ما دھو داس اور شھب رام اس کے معماروں کے نام ہیں۔ یعنی میانی کے اولین باشندے دراصل شمس آ

باد کے رہائشی تھے۔ اور شروع میں اس نو آباد قصبے کا نام میانی نہیں بلکہ آصف نگر تھا۔ اس کا ثبوت میانی ہی کے خانوادۂ مفتیاں کے انیسویں صدی عیسوی کے ایک بزرگ عالم دین مفتی محمد سراج الدین (متوفی ۲۱ رجب ۱۲۸۷ھ ۱۸۷۰/ع) کی منظوم پنجابی تصنیف ''ردجلالہ'' غیر مطبوعہ سے بھی ملتا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۸۴۳ء میں لکھی۔ کتاب کے اختتام پر اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے اپنی رہائش کا مقام یوں بیان کرتے ہیں

وطن اساڈا اصلی رہنے آصف نگر غریب
ملحؔ سار جے آکھن اوسنوں خلقت کل قریب (۱۴)

یعنی اصل میں ہم آصف نگر میں رہتے ہیں جسے اب تمام لوگ نمکسار کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ نمک کی منڈی ہونے کی وجہ سے نمکسار میانی مشہور ہوگئی تھی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ لفظ ملح سار سے مفتی صاحب نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ آصف خان نے خود اس شہر کا نام آصف نگر رکھا ہو۔ کیونکہ جس طرح آج حکام کے نام پر تعلیمی ادارے، ہسپتال اور کالونیاں وغیرہ بنتی ہیں اسی طرح اُس دور میں بھی حکام اپنے نام پر شہر بساتے تھے۔ مثلاً میر منو کے نائب مرزا آدینہ بیگ (1758ع) نے ضلع گورداس پور میں اپنے نام سے ایک قصبہ آدینہ نگر آباد کیا جو آج تک اسی نام سے موجود ہے ہاں اتنا فرق پڑا ہے کہ الف ختم ہوکر اب صرف دینا نگر کہلاتا ہے۔ (۱۵)

کہا جاتا ہے کہ آصف نگر کی آبادی کسی زمانے میں پنڈ رحیم شاہ سے لے کر صحاباں والہ ٹبہ تک ہوا کرتی تھی۔ تاہم بظاہر یہ مبالغہ آرائی معلوم ہوتی ہے۔ کوئی ایک تاریخ دستیاب نہیں کہ آصف خان نے کس سنہ میں یہ شہر آباد کیا۔ زیادہ قرین قیاس ۱۶۱۴ع تا ۱۶۲۸ع کا درمیانی عرصہ ہے جب وہ کاروبارِ حکومت میں زیادہ فعال اور تمام اختیار اس کے ہاتھ میں تھے۔

پر امن اور خوش حال میانی:

قیامِ پاکستان سے پہلے میانی کو سیاسی اعتبار سے چار ادوار کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اپنے آغاز سے عہد مغلیہ کے زوال تک ۱۷۴۸ع تک، طوائف الملوکی اور احمد شاہ ابدالی کے حملے، سکھا شاہی اور آخر میں انگریزوں کے زیر تسلط۔

عہد شاہ جہانی تعمیر و ترقی اور عہد عالم گیری انتظامی و تہذیبی لحاظ سے زریں دور سمجھے جا

Scanned with CamScanner

تے ہیں۔ اس کے بعد اگر چہ زوال شروع ہو گیا لیکن روشن اختر عرف محمد شاہ رنگیلے کے دور تک یہ ترقی وخوش حالی برقرار رہی۔ پھر طوائف الملوکی، ابدالی کے حملوں اور سکھا شاہی نے سب کچھ برباد کر دیا۔ اس طرح میانی اپنے ابتدائی سو برسوں میں پر امن اور سرسبز وخوش حال رہی ہے۔ شاہ جہاں کے دور میں سرکاری سرپرستی میں یہ شہر آباد ہوا تھا یقیناً اس کی ترقی وخوش حالی کے لیے سرکار نے کچھ اقدامات کیے ہوں گے تاہم تاریخ کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ البتہ عالم گیر کے دور میں یہاں کے باشندوں کی دینی وروحانی زندگی کی بہتری کے اقدامات کا سراغ ملتا ہے تو ضرور اس کی مادی نشو ونما اور خوش حالی پر بھی توجہ رہی ہوگی۔ عالم گیر نے عموماً ملک کی مساجد میں ائمہ ومدرسین تعینات کیے تھے اس نو آباد شہر کو بھی اس اعزاز سے نوازا گیا۔ یہاں جس عالم دین کا تقرر کیا گیا وہ میانی کے خانوادۂ مفتیاں کے جد اعلیٰ حضرت مولانا حافظ مفتی محمد اسماعیل دہلوی ہیں۔ چناں چہ اس خانوادہ کے شجرہ قلمی میں لکھا ہے

''اورنگ زیب عالم گیر نے بغرض تعلیم دین مفتی محمد اسماعیل صاحب کو ''مفتی'' کا خطاب دے کر میانی میں بھیجا'' (۱۶)

میانی میں اس اولین چراغ دین سے تسلسل کے ساتھ پھر اتنے چراغ جلے کہ آج صدیوں بعد بھی میانی کی فضا ان کے نور سے منور ہے۔ آئندہ صفحات انہی کی ضیاء پاشیوں سے لبریز ہیں۔

میانی ضلع شاہ پور کا شہر تھا جسے اب ضلع سرگودہا کہا جاتا ہے۔ یہ ضلع ہندوستان کے انتہائی شمال مغرب میں واقع ہے۔ شاہ جہاں اور عالم گیر کے زمانے میں یہ علاقہ شورش سے محفوظ تھا اُس دور کا کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے اس علاقے میں بے امنی رہی ہو، لہذا اس دور کی حد تک یہاں کے باشندوں کی زندگی پر امن رہی۔ اگرچہ اس دور میں نہریں نہ تھیں تاہم زرعی علاقہ ہونے کی وجہ سے اکثریت زراعت کے پیشے سے منسلک تھی اور زراعت کا انحصار بارشوں اور کنوؤں پر تھا۔ میانی کے وجود میں آنے سے پہلے بھیرہ اس پورے علاقے کا تجارتی مرکز تھا۔ بھیرہ کے تاجر کابل سے بھی آگے تک تجارت کرتے تھے۔ گھی راولپنڈی، امرتسر اور کراچی سے اور چاول گڑ اور چینی جالندھر دوآب سے بھیرہ آتے تھے۔ (۱۷)

میانی آباد ہونے سے اردگرد کے دیہات کو زیادہ سہولت میسر آگئی۔ بھیرہ قدرے دور ہونے کی وجہ سے ان کے لیے اب میانی ہی واحد قریبی مرکزی شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ کاشتکار

اپنی اجناس شہر کو سپلائی کرتے اور اپنی ضروریات شہر کی دکانوں اور تاجروں سے حاصل کرتے تھے اور ضرورت کا لین دین بھیرہ سے کرتے کیونکہ ان کے لیے قریب ترین تجارتی مرکز یہی تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ میانی کے بڑے تاجر بھیرہ کے تاجروں کی مانند امرتسر، کراچی، لاہور، جالندھر اور پشاور تک جاتے ہوں۔ اس طرح شہر ترقی کی راہ پر گامزن ہوا اور ابتدائی سو برسوں میں شہریوں کی اکثریت خوش حال ہوگئی۔

اس بنا پر جیمز ولسن نے لکھا ہے کہ "بھیرہ کی طرح میانی نے بھی مغل بادشاہت کے زوال تک ترقی اور خوش حالی کی راہ اپنائی" (۱۸)

مرکزیت اور خوش حالی کی ایک اور وجہ نمک کی منڈی تھی۔ میانی کے شمال میں کھیوڑہ کے مقام پر نمک کی مشہور کانیں واقع ہیں زمانہ قبل مسیح سے ان کانوں سے نمک نکالا جا رہا ہے۔ اس نمک کی ترسیل دریا کے راستے بھیرہ سے بھی ہوتی تھی تاہم میانی آباد ہونے پر یہ نمک کی منڈی بن گئی کیوں کہ بھیرہ کی بجائے میانی کھیوڑہ سے نسبتاً قریب ہے۔ وہاں سے نمک گدھوں، گھوڑوں اور بیل گاڑیوں کے ذریعے براستہ پنڈ دادن خان دریا پر لایا جاتا، کشتیوں کے ذریعے دریا سے پار اتار کر پھر انہی ذرائع سے میانی پہنچتا۔ اور یہاں سے بذریعہ جرنیلی سڑک ملک کے دیگر شہروں کو سپلائی کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا نام نمک سار میانی، نمک میانی اور پنجابی زبان میں لُون میانی مشہور ہوگیا۔

جیمز ولسن لکھتے ہیں

"بہت پرانے وقتوں سے، میانی نمک کی ایک اہم منڈی رہی ہے جو کہ دریا کی دوسری جانب واقع کانوں سے نکلتا ہے" (۱۸)

.اس نمک کی منڈی کی بدولت میانی کو بہت خوش حالی وعروج ملا۔ ظاہر ہے کاروبار کے تناسب سے ہی لوگوں کی مزدوری، آمدن اور دیگر معاشی سرگرمیاں وابستہ ہوتی ہیں۔ جب نمک کا اس قدر وسیع کاروبار تھا تو مقامی افراد کا روزگار اور فوائد بھی اتنی ہی وسعت کے ساتھ اس سے وابستہ تھے۔ اور نمک کے لیے دور دراز تک تاجروں کی آمد ورفت دیگر تجارتی اشیا کی ترسیل کا باعث اور سود مند تھی۔ نمک کے لیے آنے والے تاجر دیگر اشیائے ضروریہ ساتھ لاتے جو یہاں فروخت کرتے اور یہاں کی اجناس اور گھریلو مصنوعات وغیرہ لے جاتے۔ لیکن یہ منڈی ایک بار احمد شاہ ابدالی کی فوج کے ہاتھوں میانی کی بربادی کے بعد بند ہوگئی، طویل عرصے بعد بحال ہوئی تو دوسری مرتبہ انگریز دور میں کھیو

ڑہ تک ریلوے لائن کی وجہ سے ایسے بند ہوئی کہ پھر ہمیشہ کے لیے خواب وخیال ہوگئی۔

جیمز ولسن اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''شہر کی خوش حالی کو زور دار تھپیڑا حال ہی میں ایک اور انداز سے پڑا، کھیوڑہ تک ریلوے لائن کے اضافہ سے پہلے میانی نمک کی برآمد کا ڈپو تھا جوان کانوں سے پورے ملک میں بھیجا جاتا، اوراسی وجہ سے اسے لُون میانی کے نام سے پکارا جاتا تھا،لیکن اب نمک کی تجارت نے اسے چھوڑ دیا ہے اوراس کا عروج بھی رخصت ہوگیا ہے'' ان کے الفاظ یہ ہیں

" The prosperity of the town has lately suffered a sever below of a different kind. Until the extention of the railway to the Khewra Salt mines across the river, Miani was the depot for the salt exported from those miners down- country, and from this fact wasa known as Lun Miani, but since then the salth trade has almost left it, and its glory has departed " (20)

سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے اب میانی کی ایک میونسپل کمیٹی ہے جس میں ناظم، نائب ناظم کے علاوہ دس ممبران ہوتے ہیں اورشہر کی کل آبادی سترہ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔

مفتیان میانی کا تعارف

میانی کے ''مفتی خاندان'' کا سلسلہ نسب نوشیرواں بن قباد سے ہوتا ہوا حضرت اسحاق علیہ السلام سے ملتا ہے۔نوشیرواں کی اولاد سے ایک رئیس راجہ پنوار ۸۰۴ھ/ ۱۴۰۲ء میں جنوبی ہندوستان کے علاقہ بھنیڑ میں آباد تھا۔اس کی دسویں پشت سے راجہ ہجرا دہلی کے قریب جنوب میں شپہ یا تپہ کے مقام پر آباد ہوا۔اُونچی ذات اور رئیس ہونے کے باعث اس کا گاؤں ''حویلی ہجراواں'' اور ذات ہجرا مشہور ہوئی۔ (۲۱)

ابھی تک یہ درظلمت دستک اسلام سے وانہیں ہوا۔تا آنکہ بابر نے ۱۵۲۶ء میں مغلیہ دور اقتدار کا آغاز کیا۔ادھر ورثائے انبیاء کا قافلہ نور نبوت کو مشعل راہ بنائے لیظھرہ علی الدین کلہ کے نصب العین کی طرف رواں دواں ہے اسلام کی آفاقی خصوصیات وتعلیمات اور علماء وصوفیا

Scanned with CamScanner

ء کی عملی زندگی نے نہ صرف نچلی ذات کے ہندوؤں کو متاثر کیا بلکہ اُونچی ذات کے راجاؤں، مہاراجاؤں کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔ جہاں ان کے قدم پڑتے، خاک کے ذرے بھی آفتاب و ماہتاب بنتے جارہے تھے۔ اب حویلی ہجراواں کے ذرے بھی ہم دوشِ ثریّا ہونے کو بے تاب تھے اس کے تاریک دور کا خاتمہ قدرت خداوندی میں مقدر ہو چکا تھا۔ راجہ ہجرا کا تیرھواں جانشین جو سربراہ خاندان تھا اس کا دل نورِ ایمان سے منور ہوا۔ چناں چہ یہ توحید و رسالت کی شمع فروزاں سے ظلمت کفر کا خاتمہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور ساتھ ہی نام سمیت اس کا پورا ماضی دفن ہو گیا۔ آغوش اسلام میں آتے ہی اس کا نام ''شیخ علی الاوّل'' رکھا گیا۔ (۲۲)، اور فضا پکار اٹھی ہوگی دکوئی سراغ نہیں مل سکا کہ اس خانوادے کا مقدر کس بزرگ کی بدولت چمکا۔

اب شیخ علی الاوّل ایک ایسے خانوادہ کے جداعلیٰ بن چکے ہیں آگے چل کر جس کے کئی درخشندہ ستارے وراثت انبیآء کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ چناں چہ شیخ علی الاول اسلام اور اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے ادخلو فی السلم کافة کے مصداق بن گئے۔ شیخ ممدوح کا قبول اسلام اور پھر آپ کی اولاد میں درخشندہ ستاروں کا تسلسل آپ کی غایت درجہ اسلام دوستی کا عملی ثبوت ہے۔ آپ کا ایک صاحبزادہ اور ایک پوتا ہوا جن کے نام بالترتیب یہ ہیں

۱۔ حضرت شیخ فریدؒ ۲۔ حضرت شیخ نعمت اللہؒ

جس طرح بیج کو پھل دار درخت بننے تک طویل عرصہ درکار اور کئی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح تمام کام ارتقائی مراحل سے گذر کر ہی نقطۂ کمال تک پہنچتے ہیں۔ حضرت شیخ موصوف نے اپنے بیٹے اور پوتے کی اس نہج پر تربیت کی کہ اسلام ان کی رگوں میں سرایت کر کے انجلاء روح اور حیات جاوداں کا باعث بن گیا۔ ان بزرگوں کے سن ولادت و وفات معلوم نہیں ہوسکے۔

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد اسماعیلؒ دہلوی ثم میانوی

۱۰۲۹ھ - ۱۱۰۹ھ ۱۶۲۰ع - ۱۶۹۸ع

ولادت:

مفتی محمد اسماعیل بن شیخ نعمت اللہ بن شیخ فرید بن شیخ علی الاوّل، جہاں گیر کے آخری دو

رہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی وفات سے قریبا چار سال قبل دہلی کے جنوب میں واقع موضع حویلی ہجراواں میں شیخ نعمت اللہ کے گھر غالباً ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ع میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد اسماعیل رکھا گیا۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مگن ہوگئے۔ آپ کے اساتذہ سے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ لیکن گمان یہی ہے کہ دہلی اور گردونواح کے معروف مدارس اور علماء سے استفادہ کیا ہوگا۔ کیوں کہ وہاں قابل علماء کی کمی نہ تھی دور دراز سے طلباء تعلیم حاصل کرنے دہلی جایا کرتے تھے۔ اور یہ کوئی قحط الرجال کا دور نہیں تھا۔ ملا عبد الحکیمؒ سیالکوٹی جنہوں نے اکبر آباد میں بھی تدریس فرمائی، شاہ جہاں نے قدر دانی کے طور پر آپ کو دو مرتبہ سونے چاندی میں تلوا کر آپ کے وزن کے مطابق چھ چھ ہزار روپیہ نقد انعام دیا۔ اور دیگر قابل قدر ہستیوں سے قطع نظر جس زمانے میں حضرت مجددؒ اور شیخ عبد الحقؒ محدث دہلوی اپنے فیوضات سے سرزمین ہند کو سیراب کریں وہ زمانہ ءقحط نہیں کہلا سکتا۔ اس وقت حضرت محدثؒ علمی وروحانی شہرت کے نصف النہار پر تھے۔ کوئی حوالہ موجود نہیں لیکن بنابر قیاس بعید نہیں کہ مفتی صاحب کو آپ سے شرف زیارت وفیض حاصل ہو کیوں کہ جب دور سے بے شمار لوگ اس مقصد کے لئے حاضر ہو رہے تھے تو قریب رہنے والا طالب علم کیونکر محروم رہ سکتا ہے۔

میانی میں آمد اور عالم گیر کی جانب سے تعنیاتی:

مولانا حافظ محمد اسماعیل نے تحصیل علم کے بعد وعظ وارشاد شروع کردیا۔ اور جلد ہی عالم دین کے طور پر معروف ہوگئے۔ حویلی ہجراواں دہلی سے زیادہ دور نہ تھی۔ اس لئے دہلی میں آمد ورفت یقیناً عام ہوگی۔ علامہ مفتی محمد رفیق میانوی کے بیان کے مطابق سینہ بہ سینہ روایت ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر کے محل سرا میں کوئی مسئلہ پیش آیا۔ علماء جمع کیے گئے، بحث ومباحثہ ہوا بالآخر مولانا حافظ محمد اسماعیل نے مسئلہ حل کردیا جس پر عالمگیر نے آپ کو ''مفتی'' کا خطاب عطا فرمایا۔ ایسے کسی واقعہ کا کوئی تحریری ثبوت نہیں مل سکا تاہم اس واقعہ سے قطع نظر آپ کے خاندانی شجرہ قلمی میں اتنا تحریری ثبوت موجود ہے کہ عالمگیر نے ہی آپ کو مفتی کا خطاب دے کر ترویج اسلام کے

Scanned with CamScanner

لئے قصبہ نمک میانی میں تعینات کیا۔ (۲۳)

اورنگ زیب عالم گیر:

۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے شاہ جہاں کو معزول کر کے عنان حکومت سنبھالی۔ چند دیگر بے وزن الزامات کے علاوہ بھائیوں کا قتل اور باپ کی قید اس کے دامن اوصاف کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی نے ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' میں بڑے مضبوط دلائل کے ساتھ اس کا دفاع کیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کی زندگی اتباع شریعت اور اشاعت اسلام کی ایک عمدہ مثال ہے۔
تخت نشین ہونے کے بعد اس نے بھنگ کی کاشت، شراب نوشی، جوا، بداخلاقی، بدکاری و بدچلنی، گانا و موسیقی اور فضول اخراجات سب ممنوع قرار دیے۔ کروڑوں مالیت کے تقریباً ۸۰ سے زائد ٹیکس یک قلم موقوف کر کے عوام کو ریلیف دیا۔
تکلفات ختم کئے، بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا۔ شعائر اسلام کی تعظیم اور مسلم تشخص کو یقینی بنایا، سادگی و پرہیز گاری اختیار کی، مساجد آباد کیں، ملکی انتظام شرعی اصولوں پر استوار کیا، امن و امان قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی، عدل و انصاف قائم کیا اور عدلیہ کو علماء کے ہاتھ میں دیا۔ احتساب کا محکمہ قائم کیا اور اس کی غیر جانب دارانہ کارکردگی کو یقینی بنایا۔ علماء و بزرگوں کی قدر کرتا۔ تدریس و تعلیم کو رواج دیا، ملک کے قابل علماء کو جمع کر کے فتاوی عالمگیری ایسی شاہکار کتاب مرتب کروائی۔
بہادر، پرہیزگار اور صوم وصلوۃ کا پابند تھا۔ ایام شاہزادگی میں جب وہ بلخ کی مہم پر عبدالعزیز بلخی کے خلاف معرکہ آرا تھا تو عین حالت جنگ میں نماز ظہر کا وقت ہوا، چاروں طرف سے برستے تیروں میں صف قائم کی اور سکون و اطمینان سے فرائض و نوافل ادا کئے۔ بلخی نے یہ حیرت انگیز سماں دیکھا تو یہ کہتے ہوئے صلح کا خواستگار ہوا کہ ''ایسے شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہے'' ماثر عالم گیری کے الفاظ ہیں

''درعین گرمی ہنگامہ پیکار وقت نماز ظہر در رسید و آنحضرت باوجود التماس و امتناع بندہ ہائے ظاہر بیں از مرکوب خاص فرود آمدہ صف آرائے جماعت شدہ فرض وسنت و نوافل را بہ کمال حضور واطمینان ادا کردند'' (۲۴)

وہ کفایت شعار اور محنتی تھا، بیت المال کو عوام کی امانت سمجھتا اور کبھی اس میں خیانت کا

Scanned with CamScanner

مرتکب نہ ہوا فارغ اوقات میں قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں بنا کر روزی کماتا، اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ ٹوپیوں سے کمائے چار روپے دو آنے میرے کفن دفن پر خرچ ہوں اور کتابت قرآن سے کمائے ہوئے تین سو پانچ روپے مساکین میں تقسیم کئے جائیں۔ مختصراً سیرت عالم گیر کے یہ وہ پہلو ہیں جنہیں اس کے بدترین مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ہرگز انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھا تاہم شبلی کے مطابق اس کے بعد دنیائے اسلام میں کوئی اس کا ہمسر بھی نظر نہیں آتا۔

مفتی صاحب کو میانی بھیجے جانے کی روایت اس لئے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ دور دراز علاقوں کے عوام کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اورنگ زیب عالم گیر نے اپنی حکومت کے چوتھے سال ملک کی تمام مساجد میں مستند علماء کو بغرض اشاعت اسلام تعینات کرنے کا اہتمام کیا۔

صاحب ماثر عالم گیری لکھتے ہیں

''پورے ملک میں جس قدر مساجد تھیں سب میں امام، موذن اور خطیب مقرر کیے۔ انہیں سرکاری خزانہ سے تنخواہیں ملتی تھیں'' (۲۵)، مفتی صاحب کا میانی میں تعینات کیا جانا بھی اس سلسلہ کی کڑی ہوگی۔ ممکن ہے آپ سے پہلے بھی غیر سرکاری طور پر یہاں کوئی عالم دین رہا ہوگا مگر تلاشِ بسیار کے باوجود کسی کا سراغ نہیں مل سکا۔ چناں چہ اس شہر میں مستقل طور سکونت اختیار کرنے والے بظاہر آپ پہلے عالم دین ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس سنہ میں یہاں تشریف لائے۔ تاہم مذکورہ حوالہ کے پیش نظر غالب گمان یہی ہے کہ آپ ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ع میں تشریف لائے۔

اس طرح شہر میانی میں ''خانوادۂ مفتیاں'' کی بنیاد پڑی، پھر اس خاندان میں تسلسل کے ساتھ نسل درنسل ایسے نابغہ روزگار علماء پیدا ہوئے اور لفظ ''مفتی'' اس قدر مشہور ہوا کہ خاندان کی ذات ''ہجرا'' اس لفظ میں گم ہوگئی۔ اب یہ لفظ بلاتمیز عالم وغیر عالم خاندان کے ہر فرد کے نام کا لاحقہ بن چکا ہے۔ تاہم راقم نے تحقیق نقطۂ نظر سے محض علماء کے اعزاز وامتیاز کی خاطر اسے صرف علماء ہی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

میں ایک پھول کھلا، پھر اس سے اتنے پھول کھلے کہ جنہوں نے خوشبوئے اسلام سے اس صحرا کو گلشن بنا دیا۔

اولاد واحفاد:

مفتی محمد اسماعیل صاحب کی دو شادیاں اور سات بیٹے ہوئے۔ آپ کی پہلی شادی محترمہ فاطمہ بیبی سے ہوئی ان سے بالترتیب چار صاحب زادے مفتی عبدالرحمن، حافظ عبداللہ، حافظ فیض رحیم اور حافظ عبدالرحیم تولد ہوئے۔

دوسری شادی مسمات اسلام خاتون سے انجام پائی۔ ان سے تین بیٹے محمد سعید، محمد شفی اور محمد تقی تولد ہوئے۔ شجرہ میں ان سب کے نام اسی طرح درج ہیں

ان میں سے چار حافظ فیض رحیم، حافظ عبدالرحیم، محمد شفی اور محمد تقی لاولد گئے۔ باقی تینوں کی اولاد کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) مفتی عبدالرحمن:

آپ کے دو بیٹے شیخ حامد اور مبارک محمود پیدا ہوئے۔ شیخ حامد کا ایک بیٹا محمد یوسف اور ایک بیٹی نور ماہ بی بی پیدا ہوئی۔ مفتی مبارک محمود کے دو بیٹے محمد زاہد اور محمد عابد تولد ہوئے، اوّل الذکر لاولد گئے۔ مفتی محمد عابد کے دو بیٹے نور محمد، شیخ عبداللہ اور ایک بیٹی فاطمہ بی بی پیدا ہوئی۔ نور محمد اور فاطمہ بی بی لاولد گئے۔ مفتی شیخ عبداللہ کے چار صاحب زادے۔

مفتی غلام محمود، مفتی غلام محی الدین، مفتی محمد اسلم، مفتی محمد سراج الدین

اور دو صاحبزادیاں جنت خاتون اور شرف بی بی پیدا ہوئیں۔ مفتی محمد اسماعیل صاحب کے اسی بیٹے کی نسل سے اس خاندان میں علماء کا تسلسل آج تک جاری ہے۔ جن کے دستیاب حالات آئندہ صفحات میں پیش کئے جارہے ہیں۔

(۲) حافظ عبداللہ:

آپ کے تین بیٹے محمد مسلم، محمد محسن اور محمد اسلم پیدا ہوئے۔ ان میں سے آخر الذکر لاولد گئے۔ محمد محسن کے گیارہ بیٹے پیدا ہوئے مگر کوئی بھی شادی کی عمر کو نہ پہنچا سب وفات پا گئے۔ محمد مسلم کی تین بیٹیاں شہر بانو، امیر بانو اور نور بانو تولد ہوئیں۔ محترمہ شہر بانو کی شادی مفتی عبدالرحمن صاحب کے پوتے مفتی محمد عابد کے ساتھ انجام پائی۔ محترمہ نور بانو کی شادی شیخ احمد بن محمد اجمل ساکن جھاوریاں سے ہوئی۔ اور محترمہ امیر بانو کی شادی قاضی علی محمد صاحب ساکن پنن وال تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم، سے انجام پائی۔ قاضی صاحب کی یہ دوسری شادی تھی۔ ان سے ایک بیٹا قاضی محمد کامل اور ایک بیٹی پناہ بی بی پیدا ہوئی۔ پناہ بی بی کی شادی میاں محمد ولد محمد یاسین ساکن لوک سے ہوئی۔

مولانا قاضی محمد کاملؒ:

مفتی محمد اسماعیل صاحب کے پوتے کا یہ نواسہ متبحر عالم اور ماہر فقیہ ہوا۔ حضرت پیر حیدرؒ شاہ صاحب جلال پوری قاضی صاحب شاگردوں میں سے ہیں۔ قاضی صاحب کی شادی مسمات جنت

بی بی بنت میاں گل محمد لک ساکن ڈھکویں سے انجام پائی۔قاضی صاحب کے سات بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی بچپن میں وفات پا گئے۔ اور قاضی غلام نبی، قاضی تاج محمود، قاضی محمد، قاضی حسن الدین، قاضی علم الدین، سید بی بی، فاطمہ بی بی اور علم بی بی زندہ رہیں۔

محترمہ سید بی بی کی شادی مفتی غلام محی الدین قادری میانوی سے ہوئی ایک بیٹی زینب بی بی پیدا ہوئی، اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری بیٹی علم بی بی کا نکاح مفتی صاحب سے کر دیا گیا ان سے آپ کا ایک بیٹا مفتی غلام احمد اور ایک بیٹی صالحہ بی بی تولد ہوئی۔قاضی صاحب کی تیسری بیٹی فاطمہ بی بی کا نکاح میاں محمد ولد میاں عالم طور ساکن چک سیدا سے ہوا۔قاضی صاحب کے بڑے بیٹے قاضی غلام نبی کی شادی فضلاں بی بی بنت شیخ صاحب سے انجام پائی۔ انہوں نے چک جانی میں سکونت اختیار کی۔ ان کی ایک بیٹی عالم بی بی اور دو بیٹے نیک عالم اور شیر عالم پیدا ہوئے۔اول الذکر بچپن میں وفات پا گئے۔

قاضی تاج محمود کی شادی نیک بی بی بنت میاں محمد ولد محمد یاسین سے ہوئی۔ ان سے تین بیٹے فیض عالم، عبدالحلیم، حسام الدین اور دو بیٹیاں بھاگ بھری اور عائشہ بی بی تولد ہوئیں۔اول الذکر نے بچپن میں وفات پائی اور محترمہ عائشہ بی بی کا نکاح مفتی غلام احمد بن مفتی غلام محی الدین میانوی سے ہوا۔ سات روز بعد انتقال کر گئیں۔ حسام الدین کی شادی ۱۱ رجب ۱۲۹۴ھ کو صالحہ بی بی بنت مفتی غلام محی الدین میانوی سے انجام پائی۔

قاضی محمد کی شادی فاطمہ بی بی بنت میاں طیب ساکن لوک سے ہوئی۔ انہوں نے دوسری شادی محترمہ حیات بی بی بنت میاں فتح محمد ساکن موضع کہانہ، سے کی۔

قاضی علم الدین کا نکاح کرم بی بی بنت میاں شمس الدین بٹ ساکن ہرن پور سے ہوا۔ ان کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک فضل دین بچپن میں فوت ہوا۔ اور احمد الدین، امام الدین اور فضل الدین زندہ رہے۔

قاضی حسن الدین کی شادی عالم بی بی بنت میاں رکن الدین اعوان ساکن بھیرہ، سے انجام پائی۔ پندرہ ماہ بعد موصوفہ انتقال کر گئیں تو ان کی دوسری شادی بمقام منڈی محترمہ سردار بی بی بنت مولوی سید احمد لنگاہ سے ہوئی ان سے دو بیٹیاں غلام فاطمہ اور عائشہ بی بی پیدا ہوئیں، دونوں بچپن میں فوت ہوئیں اور والدہ ان دونوں کی وفات سے پہلے انتقال کر گئیں۔

حضرت مولانا قاضی محمد کامل صاحب کا ۴ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء کو وصال ہوا اور موضع پنن وال میں مدفون ہوئے۔

(۳) محمد سعید:

محمد سعید صاحب کے تین بیٹے محمد مصطفیٰ، محمد مرتضیٰ اور محمد مجتبیٰ پیدا ہوئے۔ آخر الذکر نے بھائی محمد مصطفیٰ کے ساتھ موضع قمر میں سکونت اختیار کی، شادی سے پہلے ہی وفات پائی اور قمر سے متصل مغرب جنوب میں واقع برگد کے درخت کے نیچے مدفون ہوئے۔

محمد مرتضیٰ حصول علم کے شوق میں دہلی گئے۔ وہیں نکاح کیا، ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بیٹا ان کی حیات میں وفات پا گیا اور بیٹی کی شادی قاضی سلطان صاحب کے بیٹے سے ہوئی۔

محمد مصطفےٰ پنڈ دادن نخان سے تین میل مشرق میں واقع موضع قمر کے جھمٹ خاندان میں قرابت داری کے باعث وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔ ان کا ایک ہی بیٹا نور محمد تولد ہوا۔

نور محمد صاحب عالم دین ہوئے اور علم جنات میں مہارت کے باعث شہرت پائی۔ موضع قمر میں انتقال ہوا۔ اور والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کے تین بیٹے حافظ غلام حسن، غلام حسین، علی محمد اور دو بیٹیاں فاطمہ بی بی اور بہشت بی بی تولد ہوئیں۔

حافظ غلام حسن کی شادی مفتی شیخ عبداللہ میانوی کی بیٹی محترمہ شرف بی بی سے انجام پائی۔ ان سے ایک بیٹا محمد عظیم اور تین بیٹیاں نیک بخت، نور بخت، اور فضلاں بی بی پیدا ہوئیں۔

نیک بخت کی شادی مولوی سراج الحق بن مولوی عبداللہ ساکن کٹھیالہ شیخاں سے ہوئی۔ دوسری بیٹی نور بخت کی شادی بھی اسی گھر میں مولوی عبداللہ صاحب کے بیٹے بدرالدین سے انجام پائی۔ اور فضلاں بی بی کی شادی احمد بخش بن علی محمد ساکن قمر، سے ہوئی۔

محمد عظیم کی شادی اپنی چچازاد مسمات بہشت بی بی بنت غلام حسین ساکن قمر، سے ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ کو ہوئی۔ ان سے آپ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تولد ہوئیں۔

غلام محمود، غلام جیلانی (ولادت ۱۲۹۰ھ)،

غلام مجتبیٰ (ولادت ۱۲۹۳ھ)، غلام مصطفےٰ (ولادت ۱۲۹۵ھ)

عالم بی بی (ولادت ۱۲۸۲ھ)، صالح بی بی (ولادت ۱۲۸۹ھ)

اوّل الذکر بیٹا بچپن میں فوت ہوا۔ دوسرا بھی دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور ثانی

Scanned with CamScanner

مرتکب نہ ہوا فارغ اوقات میں قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں بنا کر روزی کماتا، اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ ٹوپیوں سے کمائے چار روپے دو آنے میرے کفن دفن پر خرچ ہوں اور کتابت قرآن سے کمائے ہوئے تین سو پانچ روپے مساکین میں تقسیم کئے جائیں۔ مختصراً سیرت عالم گیر کے یہ وہ پہلو ہیں جنہیں اس کے بدترین مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ہرگز انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھا تاہم شبلی کے مطابق اس کے بعد دنیائے اسلام میں کوئی اس کا ہمسر بھی نظر نہیں آتا۔

مفتی صاحب کو میانی بھیجے جانے کی روایت اس لئے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ دور دراز علاقوں کے عوام کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اورنگ زیب عالم گیر نے اپنی حکومت کے چوتھے سال ملک کی تمام مساجد میں مستند علماء کو بغرض اشاعت اسلام تعینات کرنے کا اہتمام کیا۔

صاحب ماثر عالم گیری لکھتے ہیں

''پورے ملک میں جس قدر مساجد تھیں سب میں امام، موذن اور خطیب مقرر کیے۔ انہیں سرکاری خزانہ سے تنخواہیں ملتی تھیں'' (۲۵)، مفتی صاحب کا میانی میں تعینات کیا جانا بھی اس سلسلہ کی کڑی ہوگی۔ ممکن ہے آپ سے پہلے بھی غیر سرکاری طور پر یہاں کوئی عالم دین رہا ہوگا مگر تلاشِ بسیار کے باوجود کسی کا سراغ نہیں مل سکا۔ چناں چہ اس شہر میں مستقل طور سکونت اختیار کرنے والے بظاہر آپ پہلے عالم دین ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کس سنہ میں یہاں تشریف لائے۔ تاہم مذکورہ حوالہ کے پیش نظر غالب گمان یہی ہے کہ آپ ۱۰۷۱ھ /۱۶۶۱ء میں تشریف لائے۔

اس طرح شہر میانی میں ''خانوادۂ مفتیاں'' کی بنیاد پڑی، پھر اس خاندان میں تسلسل کے ساتھ نسل در نسل ایسے نابغہ روزگار علماء پیدا ہوئے اور لفظ ''مفتی'' اس قدر مشہور ہوا کہ خاندان کی ذات ''ہجرا'' اس لفظ میں گم ہوگئی۔ اب یہ لفظ بلا تمیز عالم وغیر عالم خاندان کے ہر فرد کے نام کا لاحقہ بن چکا ہے۔ تاہم راقم نے تحقیق نقطۂ نظر سے محض علماء کے اعزاز و امتیاز کی خاطر اسے صرف علماء ہی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

میں ایک پھول کھلا، پھر اس سے اتنے پھول کھلے کہ جنہوں نے خوشبوئے اسلام سے اس صحرا کو گلشن بنا دیا۔

اولاد و احفاد:

مفتی محمد اسماعیل صاحب کی دو شادیاں اور سات بیٹے ہوئے۔ آپ کی پہلی شادی محترمہ فاطمہ بیبی سے ہوئی ان سے بالترتیب چار صاحب زادے مفتی عبدالرحمن، حافظ عبداللہ، حافظ فیض رحیم اور حافظ عبدالرحیم تولد ہوئے۔

گونج رہی ہے کہ

ے ''مجھے خاک میں ملا کر میری
خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پہ مٹا ہوں مجھے کیا غرض
نشاں سے'' (۱۳۳)

(جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ J.WILSON, GAZETTEER OF THE SHAHPUR. P 235 DISTRICT 1897, SANG-E-MEEL PUBLICATIONS LAHORE, 1994

۲۔ علی اکبر، لغت نامہ دھخدا، مطبوعہ ملکشاہ، منیہ ہشام تہران ایران ۱۳۳۴ھ شمسی۔ ج ۲۶ ص ۲۳۹

۳۔ ایضاً ج ۲۶ ص ۲۵۷

۴۔ یاسر، خالد اقبال، ڈائریکٹر، قاموس مترادفات، اردو سائنس بورڈ لاہور ۲۰۰۶ع (طبع ۳) ص ۱۰۳۸

۵۔ دہلوی، سعید احمد، مولوی، فرہنگ آصفیہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۶ع (طبع اول) ج ۴ ص ۴۹۶، ۴۹۸

۶۔ بگوی، انوار احمد، ڈاکٹر صاحبزادہ، تذکار بگویہ، مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ ۲۰۰۴ع (طبع اول) ج ۱ ص ۹۶

۷۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 234

۸۔ مارٹن، ٹی ایس، مترجم محمد مجیب، بادشاہ نامہ اردو، العصر پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ع، ص ۱۹۷

۹۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 236

۱۰۔ فاروقی، اقبال احمد، پیرزادہ، تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۵ع (طبع اول) ص ۱۱۱

۱۱۔ ناز، ایم ایس، ڈاکٹر، لاہور نامہ، مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور ۲۰۰۶۔ ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

Scanned with CamScanner

۱۲۔ لغت نامہ دھخدا، ج ۲۶ ص ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۵۰، ۲۵۵

۱۳۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 235

۱۴۔ میانوی، سراج الدین، مفتی، رد جلالہ، غیر مطبوعہ، ص ۱۳۔ یہ قلمی کتاب مفتی صاحب کے آبائی کتب خانہ میں جامع مسجد مفتیاں والی میانی میں موجود ہے۔

۱۵۔ فوق، محمد دین، مقالہ ’’لاہور عہد مغلیہ میں‘‘ مرقع لاہور (مرتبہ ڈاکٹر انجم رحمانی)، مطبوعہ خان بک کمپنی لاہور، ۲۰۰۹ء (طبع اول) ص ۲۷۰

۱۶۔ میانوی غلام مرتضیٰ، مفتی، خاندانی شجرہ، غیر مطبوعہ ص (۱)

۱۷۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 234

۱۸۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 235

۱۹۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 235

۲۰۔ GAZETTEER OF THE SHAHPUR DISTRICT PG # 235,236

۲۱۔ میانوی، غلام مرتضیٰ، مفتی، خاندانی شجرہ قلمی ص ۱

۲۲۔ خاندانی شجرہ قلمی ص ۲، ۳، ۹

۲۳۔ خاندانی شجرہ قلمی ص ۱، ۴

۲۴۔ مستعد خان ساقی، ماثر عالمگیری ص ۵۳۱

۲۵۔ مستعد خان ساقی، ماثر عالمگیری ص ۵۲۹

۲۶۔ یہ تمام تفصیلات مفتی صاحب کے خاندانی شجرہ، قلمی فارسی صفحہ ۱ تا ۸ سے ماخوذ ہیں۔

۲۷۔ وارثی، بیدم شاہ، حضرت مولانا، مصحفِ بیدم، مطبوعہ خورشید عالم پریس لاہور (طبع اول) ۱۹۳۵ء، ص ۱۲۲

دینی مدارس کی مرکزی تعلیمی دھارے میں شمولیت

تجزیہ وتجاویز

علامہ محمد خلیل الرحمن قادری

دینی مدارس نہ توسرکاری سکولوں اورکالجوں کی طرح ہیں کہ ان کی عمارتوں' سازوسامان اورانتظامی اخراجات کی تمویل کابندوبست سرکارکرتی ہو۔ یہ سب کچھ مدارس کے منتظمین مخیرحضرات کے تعاون سے خودکرتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے دینی مدارس پرائیویٹ سکولوں اورکالجوں کی طرح بھی نہیں ہیں جوتجارتی بنیادوں پرچل رہے ہوں اوراپنی خدمات کامعاوضہ طلباوطالبات سے فیسوں کی صورت میں وصول کرتے ہوں بلکہ ان کی آمدن کاانحصاران فیسوں پرہی ہوتاہے اوراسی سے وہ نہ صرف اپنے انتظامی اخراجات پورے کرتے ہیں بلکہ مالکان اپنے لیے منافع بھی کماتے ہیں۔ان کے برعکس دینی مدارس اپنے طالب علموں سے فیسیں وصول نہیں کرتے بلکہ انہیں بورڈنگ اورطعام کی سہولیات بھی بلامعاوضہ فراہم کرتے ہیں۔

محکمہ تعلیم میں رجسٹریشن

اس تمہیدی گفتگو کے تناظرمیں سب سے پہلے یہ جائزہ لیناہوگاکہ محکمہ تعلیم میں دینی مدارس کی رجسٹریشن صاف ظاہرہے کہ سرکاری ادارے کے طورپرتونہیں ہوسکتی اورنہ ہی پرائیویٹ سکولوں اورکالجوں کی طرزپرہوسکتی ہے بلکہ انہیں ایک الگ کیٹگری میں رکھ کران کی رجسٹریشن کاطریقہ کاروضع کرناہوگا۔اس سلسلہ میں چندتجاویزپیش خدمت ہیں:

۱۔مدارس کودوکیٹگریزمیں رجسٹرکیاجائے۔پہلی کیٹگری میں ان مدارس کورجسٹرکیاجائے جودینی اورعصری دونوں علوم پڑھارہے ہوں۔دوسری کیٹگری میں ان مدارس کورجسٹرکیاجائے جن کی پوری

توجہ علوم شرعیہ پڑھانے پر ہو۔اس میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس یکسوئی سے ہی راسخ علما تیار ہوسکتے ہیں۔یہ تقسیم مدارس کو قومی دھارے میں لانے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایسی تقسیم کئی دیگر حوالوں سے نجی سکولوں اور کالجوں میں بھی موجود ہے مثلاً انگلش اور اردو میڈیم سکولوں کی تقسیم اور پرائمری مڈل اور سیکنڈری سطح کے سکولوں کی تقسیم وغیرہ۔

۲۔دینی مدارس چونکہ تجارتی یا کمرشل ادارے نہیں اس لیے ان کی رجسٹریشن پر کوئی خرچہ نہیں ہونا چاہیے، نہ سرکاری اور نہ ہی اس رشوت کی صورت میں، جو محکمہ تعلیم کے افسران پرائیویٹ تعلیمی اداروں سے لیتے ہیں۔

۳۔اس رجسٹریشن کے بعد ان نامعقول فارموں سے منتظمین مدارس کی جان چھوٹ جانی چاہیے جن کو پکڑ کر مختلف ایجنسیوں کے لوگ مدارس میں آوارد ہوتے ہیں اور انہیں ہراساں کرتے ہیں۔ان فارموں میں منتظمین کے بہن بھائیوں اور بچے بچیوں کے بارے میں ایسے ایسے سوالات کیے جاتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط اعصاب کا مالک بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ آخر اس نے اس دینی مشن کی خدمت کر کے کون سا گناہ کرڈالا ہے؟

۴۔اس رجسٹریشن کے بعد مدارس کا بورڈ آف انٹرمیڈیٹ وسکینڈری ایجوکیشن اور یونیورسٹیوں کے ساتھ الحاق آسان شرائط پر ہوجانا چاہیے یا کم ازکم ان کے طلبا وطالبات کو داخلی امیدوار کے طور پر امتحانات دینے کی اجازت بلاتامل مل جانی چاہیے تاکہ مدارس کے طلبا حقیقت میں قومی دھارے میں شامل ہوجائیں اور ان کی امتحانی کامیابیاں بھی نمایاں طور پر سامنے آسکیں۔

۵۔دینی مدارس علوم شریعہ کے نصابات تیار کرنے اور انہیں اختیار کرنے میں آزاد ہوں البتہ عصر علوم میں حکومت کے دیئے گئے نصابات کی پابندی کی جاسکتی ہے۔

۶۔جس طرح محض محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کسی بھی پرائیویٹ ادارے کی آزادانہ انتظامی پالیسی پر اثر انداز نہیں ہوتی اسی طرح دینی مدارس پر بھی اس حوالے سے کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔

دینی مدارس کی نگرانی

دوسرا اہم اور حساس پہلو دینی مدارس کی نگرانی سے متعلق ہے۔اصول طور پر تو ان کے لیے معمول کی مانیٹرنگ ہی کافی تھی لیکن روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین کی فراہمی کے لیے بعض مدارس کے ساتھ ریاستی سطح پر تعاون کیا گیا۔صاف ظاہر ہے کہ اس تعاون کے پیچھے امریکہ کھڑا تھا۔اس کے

بعد دنیا بھر سے جمع ہونے والے ان ''مجاہدین'' کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ پھر نائین الیون اور امریکہ کی اتحادی افواج کے ساتھ افغانستان پر چڑھائی نے حالات کو تیزی سے بدل دیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز ہوا جس میں پاکستان بدستور امریکی کیمپ میں ہی رہا۔ پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں ریاست پاکستان کے خلاف نفرت نے جنم لیا اور وطن عزیز کو بدترین دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکی چونکہ کچھ مدارس کو روس کے خلاف استعمال کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے مفادات کی خاطر اپنا بیانیہ تبدیل کیا اور تمام تر دہشت گردی کا ذمہ دار بھی بلا امتیاز تمام دینی مدارس کو قرار دینے لگے اور ہماری حکومتوں سے دینی مدارس کے خلاف سخت کارروائیوں کے مطالبے کرنے لگے۔ ان مطالبوں میں وقت گزرنے کے ساتھ شدت آتی چلی گئی۔ اوپر سے کل کے مجاہدین اور آج کے دہشت گردوں کے بعض مدارس کے ساتھ رابطوں بلکہ وہاں پناہ گزین ہونے کی خفیہ اطلاعات کی خبریں بھی سامنے آنے لگیں۔ اصولاً تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان چند مدارس کی موثر نگرانی کر کے حقائق تک رسائی حاصل کی جاتی۔ اگر حقائق تقاضا کرتے تو ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان مدارس کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

اب چونکہ امریکہ اور اس کے اتحادی دینی مدارس کے درپے ہیں اس لیے حکومت کی مجبوریاں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں اور وہ مدارس کو قومی دھارے میں لانے کے نام پر اپنی ترجیحات کی بناء پر فیصلہ کن اقدام کرنے کی تیاری میں نظر آتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ترجیحات بھی امریکی مطالبات کی روشنی میں متعین کی گئی ہیں۔ ان ترجیحات کا ایک پہلو دینی مدارس کی نگرانی بھی ہے۔ چونکہ مدارس کی بہت بڑی تعداد کا دامن صاف ہے اس لیے انہیں اس نگرانی پر اصولی اعتراض نہیں ہونا چاہیے البتہ حکومت کو بھی مدارس کے جائز تحفظات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں کچھ تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱۔ بیرون ملک ایجنسیوں اور حکومتوں سے ملنے والی فنڈنگ کی کڑی نگرانی کی جائے۔ بنکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ ایسی رقوم کی ترسیل سے اسٹیٹ بنک آف پاکستان کو آگاہ کریں۔ اگر کسی مدرسے کے اکاؤنٹ میں غیر معمولی رقم (جس کا تعین باہم مشاورت سے کیا جاسکتا ہے) نقد بھی جمع ہو تو اس سے بھی اسٹیٹ بنک آف پاکستان کو آگاہ کیا جائے۔

۲۔ اوورسیز پاکستانی جن رقوم کی مدارس کی معاونت کے لیے ترسیل کریں ان کو استثنیٰ حاصل ہو۔ ان رقوم کی بھی زیادہ سے زیادہ سالانہ حد باہمی مشاورت سے طے کی جاسکتی ہے۔

۳۔مدارس کے حسابات کا سالانہ آڈٹ کرایا جائے۔اس کے لیے حکومت کوالیفائیڈ اکاؤنٹنٹ کی تنخواہ کا بوجھ خود اٹھائے جو ہر جامعہ کے حسابات اکاؤنٹنگ کے مسلمہ اصولوں کے مطابق تیار کرے تاکہ آڈٹ میں دشواری نہ ہو۔اگر حکومتی خزانہ یہ بوجھ اٹھانے کا متحمل نہ ہو یا امریکی ایجنڈا در پردہ کچھ اور ہو تو حکومت کم ازکم مدارس میں پہلے سے موجود سٹاف کو تربیتی کورس کے ذریعے ان کی استعداد کار بڑھانے میں تو اپنا کردار ادا کرسکتی ہے۔حکومت یہ بھی کرسکتی ہے کہ آڈٹ کمپنی کی فیس کا بوجھ مدارس پر نہ ڈالے اور سرکاری خزانے سے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔

۴۔مدارس کو اپنے ملکی ڈونرز کے بارے میں معلومات فراہم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔جب یہ عطیات حکومت کی وساطت سے جمع نہیں ہوتے تو حکومت کو ان عطیات دہندگان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر بھی اصرار نہیں کرنا چاہیے۔اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوگا کہ یہ عطیات دہندگان ہراساں ہوجائیں اور مالی تعاون سے پیچھے ہٹ جائیں۔جب آڈٹ لازم ہوگا تو مدارس کے پاس تمام تر عطیات کا ریکارڈ موجود ہوگا۔اگر آڈیٹر کو کوئی اعتراض ہوگا تو وہ اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر کرسکتا ہے۔

۵۔تمام مدارس کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے انکم ٹیکس سے استثنیٰ (Tax exemption) دی جائے اور ان کے عطیات دہندگان کو یہ سہولت حاصل ہو کہ وہ مدارس کو دیئے گئے عطیات پر ٹیکس Rebate کلیم کرسکیں۔اس طرح جو ڈونر فائلر ہوگا وہ خود ہی اپنی طرف سے دیئے گئے عطیات کو ظاہر کردے گا اور حکومت کا تجسس بھی ختم ہوجائے گا اور نہ ہی مدارس کو ان کے تعاون سے محروم ہونا پڑے گا۔

۶۔نگرانی کا ایک پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کوئی مدرسہ دہشت گردی میں تو ملوث نہیں۔اس کا طریق کار تو یہی ہے کہ ایجنسیاں اپنے طور پر مشکوک مدارس پر نظر رکھیں اور جہاں شواہد ملیں وہاں بلا امتیاز قانونی کارروائی کی جائے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان مشکوک مدارس کے منتظمین کا Counter Terrorism Check کروالیا جائے۔جن کا دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونا پایہ ثبوت تک پہنچ جائے انہیں مدارس کی انتظامیہ سے الگ کردیا جائے اور مدرسہ پر کڑی نظر رکھی جائے۔اگر اصلاح احوال نہ ہو تو مدرسہ کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ کسی مسئلہ پر پرامن احتجاج کرنے والوں کو انتقام

کا نشانہ بنانے کے لیے ان پر حکومت کی طرف سے دہشت گردی کا جو الزام عائد کر دیا جاتا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حکومت کے خلاف مسلح خروج کو دہشت گردی قرار دیا جا سکتا ہے یا معروف معنی میں دہشت گردی کی کارروائیاں کروانا یا ایسی کارروائیوں کی پشت پناہی کرنا ضرور قابل گرفت ہے۔

۷۔ انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ منافرت کی روک تھام کے لیے کئی کوششیں مدارس اور مذہبی جماعتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں جن کے نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔ جہاں تک مدارس کے نصاب کا تعلق ہے تو اس میں ایسا کچھ نہیں ہے جو فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دے۔

ہاں کچھ مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور معاونین کے ذاتی رویے نفرت انگیزی کا باعث بن سکتے ہیں۔ صوبائی سطح پر تشکیل دیئے جانے والا متحدہ علما بورڈ ایسے واقعات کے سدباب کے لیے ایک اچھا پلیٹ فارم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پلیٹ فارم کو مؤثر بنایا جائے۔ اس میں غیر سیاسی جید علماء کرام کو شامل کیا جائے اور بورڈ کو ضروری حد تک با اختیار بنایا جائے۔

دینی مدارس کی مالی معاونت

عرصہ دراز سے دینی مدارس مخیر حضرات کے مالی تعاون سے چل رہے ہیں۔ اب حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد تیس ہزار ہے۔ اگر فی مدرسہ اوسطاً پندرہ اساتذہ اور انتظامی عملہ بھی شمار کیا جائے تو جملہ مدارس کے اساتذہ کی تعداد چار لاکھ پچاس ہزار بنتی ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ بیشتر مدارس محدود وسائل کی وجہ سے سرکاری سطح پر رائج تنخواہیں نہیں دے رہے۔ اگر حکومت ان کو تنخواہیں دینے کی ذمہ داری اٹھاتی ہے تو وہ اساتذہ کو کس گریڈ اور سکیل کے مطابق تنخواہیں دے گی؟ اگر اوسطاً ہر استاذ کو پچیس ہزار ماہوار بھی دیا جائے تو صرف تنخواہ کی مد میں گیارہ ارب روپے ماہوار درکار ہوں گے۔ سالانہ کا حساب خود لگا لیں۔ پھر طعام اور دیگر انتظامی اخراجات الگ ہیں۔ یہ اخراجات برداشت کرنا حکومت کے بس میں نہیں ہے۔ ہاں اگر امریکہ اور اس کے اتحادی یہ امداد فراہم کر دیں تو الگ معاملہ ہے البتہ ہماری دانست میں وہ پہلے ہی انسداد دہشت گردی کے لیے خطیر رقوم حکومت پاکستان کو دے چکے ہیں لہذا ان سے مزید بڑی توقعات وابستہ کرنا غیر حقیقت پسندانہ ہوگا۔ یہ بات بھی بے حد اہم ہے کہ پہلے ہی بڑے فوجی آپریشنز کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردی پر کافی حد تک قابو پا لیا گیا ہے لہذا امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے اس میں کیا کشش ہوگی کہ وہ مدارس کے لیے بڑی گرانٹ دیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مدارس کے منتظمین کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ وہ حکومت سے ایسی امداد حاصل کریں جس کے عوض انہیں اپنے مدارس کی تدریسی وانتظامی خودمختاری گروی رکھنی پڑے۔ ویسے بھی یہ عمل ایک طرح سے مدارس کو قومیانے' کے مترادف ہوگا جو کہ قطعاً مبنی برجواز نہیں ہے۔ مدارس کو وقف کی جانے والی اراضی اور اس پر ہونے والی تعمیرات کے قانونی طور پر کسٹوڈین منتظمین ہی ہوتے ہیں۔ اگر انہیں نئی قانون سازی کے ذریعے بے دخل کیا جائے گا تو ملک کے طول وعرض میں انارکی پھیل جائے گی۔ لہذا حکومت جو اس وقت پہلے ہی مشکلات میں ہے، وہ اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل صوبائی حکومتوں کی طرف سے دینی مدارس کو بیت المال کے ذریعے زکوۃ کی مد میں مالی معاونت فراہم کی جاتی تھی۔ اگر چہ یہ رقم مدارس کے کل اخراجات کا بمشکل بیسواں حصہ بھی نہیں بنتی تھی پھر بھی اس کا حصول تب ممکن ہوتا جب محکمہ کے لوگوں کو اس میں سے حصہ دیا جاتا۔ کئی ذمہ دار اور محتاط علما نے تو اس قباحت کے باعث اس مالی معاونت کو لائق اعتنا ہی نہ سمجھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ معاونت بھی خاص خاص مدارس کے حصے میں آتی تھی، فیض عام نہیں تھا۔ بعد میں اسے بھی بند کر دیا گیا۔ الغرض حکومتی سطح پر مدارس کے ساتھ مالی تعاون کا یہ سلسلہ کبھی بھی کامیاب نہیں رہا اور نہ ہی اب اس کی امید ہے۔ اگر حکومت مدارس کو مالی معاونت فراہم کرنے میں مخلص ہو تو چند تجاویز اس حوالے سے بھی پیش خدمت ہیں:

۱۔ مدارس کو بجلی اور گیس کے بلز رعایتی نرخوں پر بھیجے جائیں۔ اس بات کا حکومت کو بھی بخوبی علم ہے کہ مدارس میں تجارت نہیں ہوتی اور وہاں بھی طلبا ہی رہائش پذیر ہوتے ہیں جن سے رائج نرخوں کے مطابق گیس اور بجلی وغیرہ کے بلز چارج کرنا ان پر مالی بوجھ بڑھانے کے مترادف ہے۔ اس کام کے لیے اگر حکومت بجلی چوری اور لائین لاسز میں کمی کر لے تو مدارس کی مجوزہ خطوط پر مالی معاونت کرسکتی ہے اور خزانے پر اس کا کوئی بوجھ بھی نہیں ہوگا۔

۲۔ پس ماندہ علاقوں کے کئی مدارس میں طلباء کے لیے متعدد سہولیات کا فقدان نظر آتا ہے۔ حکومت ان سہولیات کی فراہمی کے ذریعے بھی مدارس کی مالی مدد کرسکتی ہے۔ مثلاً کمپیوٹر لیب، سیکیورٹی کیمرے، الیکٹرک واٹر کولر، صاف پانی کی فراہمی کے لیے فلٹریشن یونٹ۔ مقامی آبادی بھی اس سے استفادہ کرسکتی ہے۔ یوپی ایس، ڈیزرٹ کولر، جنریٹر، کتب خانہ اور ضروری فرنیچر وغیرہ۔ جہاں جس سہولت کی کمی

ہو وہ فراہم کی جاسکتی ہے۔

۳۔ اساتذہ کے لیے سرکاری ملازمین کی طرز پر اولڈ ایج بینیفٹس اسکیم، پراویڈنٹ فنڈ بینوویلنس فنڈ وغیرہ کا اجرا کیا جاسکتا ہے جبکہ مدارس کی جگہ حکومت ایمپلائر کے حصے کا کانٹری بیوشن ادا کرے۔ یہ پوری تنخواہ دینے کے مقابلے میں پچاسواں حصہ بھی نہیں ہوگا البتہ اس کے فوائد یقینی ہوں گے۔

۴۔ دینی مدارس کے اساتذہ کو ہیلتھ انشورنس کارڈ ترجیحی بنیادوں پر دیئے جائیں کیونکہ محدود مالی وسائل کے سبب ان کا شمار مستحق ترین افراد میں ہوتا ہے۔

۵۔ جو مدارس حکومت سے مالی معاونت لینا چاہیں ان کو یہ سہولت پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کی طرز پر صوبائی سطح پر قائم ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے ذریعے دی جاسکتی ہے۔ جس طرح کے قواعد وضوابط پرائیویٹ سکولوں اور کالجوں کے لیے بنائے گئے ہیں اس سے ملتے جلتے 'مدارس کے تناظر میں' مدارس کے لیے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ اس میں سیاسی پسند یا ناپسند کا دخل نہ ہو۔ یہ امداد میرٹ پر لگے بندھے ضابطوں کے مطابق شفاف طریقے سے دی جائے تو مدارس کی بہتری ہو سکتی ہے۔

۶۔ ہائیر ایجوکیشن کے حصول کے لیے اساتذہ کے بچوں کو میرٹ پر مالی وظائف جاری کیے جاسکتے ہیں۔

۷۔ جہاں تک مدارس کے انتظامی معاملات کا تعلق ہے تو اس کے لیے بھی مدارس کی مشاورت سے مثالی قواعد وضوابط بنائے جاسکتے ہیں اور انہیں مدارس میں نافذ کیا جاسکتا ہے۔ یہ قواعد وضوابط این جی اوز اور امداد باہمی کے اداروں کے حوالے سے پہلے ہی نافذ ہیں۔ ایک خاکہ ہم نے بھی اس حوالے سے تیار کر رکھا ہے۔ ان کو سامنے رکھ کر یہ مثالی قواعد وضوابط تحریر کیے جاسکتے ہیں اور انہیں مدارس کی مشاورت سے نافذ العمل بنایا جاسکتا ہے۔

اگر حکومت درج بالا اقدامات کرلے تو مدارس کی مالی معاونت میں اس کی سنجیدگی واضح ہو جائے گی اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوں گے۔ بصورت دیگر اسے بھی ایک کروڑ لوگوں کے لیے روزگار کے موقع فراہم کرنے یا کے پی میں مساجد کے ائمہ اور خطبا کو سرکاری خزانے سے تنخواہیں ادا کرنے کے دعوؤں کی مثل ہی سمجھا جائے گا اور حکومت اور مدارس کے مابین اعتماد کا فقدان ہی رہے گا۔

نصابات کے حوالے سے ایک اشکال کا جائزہ

مدارس کے نصابات کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ انجینئرز یا ڈاکٹرز کیوں نہیں پیدا کر رہے

؟ اگر تو ایسا کہنے والوں کی مراد یہ ہے کہ چھ سالہ درس نظامی کی بجائے طالب علم کو میٹر کے بعد دو سال کا نصاب پڑھایا اور اس عرصے میں اسے انجینئر نگ یا میڈیکل میں ایف ایس سی کرادی جائے تو یہ بات قابل فہم ضرور ہے لیکن اس پر عمل آمد کئی حوالوں سے مشکل ہے۔

سب سے بڑی مشکل تو یہی ہے کہ ایسا دو سالہ کورس، وہ بھی ایف ایس سی کے ہمراہ، مدارس کے دائرہ کار سے ہی باہر ہے کیونکہ بنیادی طور پر تو یہ درس نظامی کے علوم وفنون پڑھانے اور سکھانے کے ادارے ہیں۔اس لیے ان کے نصابات چھ سالہ یا اس سے بھی زائد دورانیہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ طلباء کو سوشل سائنسز میں گریجویشن کرانا اگرچہ مشکل کام ہے لیکن بہت سے مدارس نے اسے شروع کر رکھا ہے۔کمپیوٹر کورسز بھی کرائے جارہے ہیں۔دو سالہ کورس سے عالم دین تیار نہیں ہوسکتا ہے۔لہٰذا اس کا بہتر حل یہ ہے کہ یہ کام کالجز کے سپرد کر دیا جائے۔علماء انہیں دو سالہ نصاب مرتب کر دیتے ہیں جسے پڑھنے والے طالب علم کو عقائد و اعمال صالحہ اور بنیادی احکام شریعت کا ضروری حد تک علم ہوجائے گا۔مزید برآں تمام اصول وفنون کی مبادیات سے آگاہی حاصل ہوجائے گی۔اسے سرکاری کالجز میں رائج کر دیا جائے تو شاید مقررہ اہداف کسی درجے میں حاصل ہوجائیں اور مدارس اپنے دائرے میں رہتے ہوئے بدستور کام کرتے رہیں۔

پاکستان کے تناظر میں یہ توقع رکھنا کہ مدارس سے ایک طالب علم پختہ عالم دین اور اس کے ساتھ انجینئر یا ڈاکٹر بن کر بھی نکل سکتا ہے ایک اچھی خواہش تو ہوسکتی ہے لیکن اس کا پایہ تکمیل تک پہنچنا درج ذیل وجوہ کی بناء پر قریب قریب ناممکن ہے:

ا۔پہلی وجہ یہ ہے کہ سرکاری و نجی کالجز میں بھی انجینئر نگ اور میڈیکل کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ اس کے لیے الگ یونیورسٹیز اور کالجز بنائے گئے ہیں۔کیا حکومت مدارس کو میڈیکل کالج اور انجینئر نگ یونیورسٹی کا درجہ دینے کے لیے تیار ہوجائے گی جبکہ نجی سطح پر بھی اس کے لیے کڑی شرائط ہیں؟ اگر کوئی یہ کہے کہ طلباء یہ تعلیم موجود میڈیکل کالجز اور انجینئر نگ یونیورسٹیز سے ہی حاصل کریں گے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدارس کا اس میں کیا کردار رہ جائے گا؟ اور مدارس پر ڈاکٹرز یا انجینئرز بنانے کی توقعات کیوں وابستہ کی جارہی ہیں؟

(جاری ہے)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Majalla **FIQAH-E-ISLAMI** Karachi.

Regd. No. SC (MC) 1148

Scanned with CamScanner